جلد ۱۰۷ اپریل ۱۹۸۷ء عدد ۲

ماہنامہ

ترجمان القرآن

مؤسس

مولانا سید ابو الاعلیٰ مودودی رحمہ اللہ تعالیٰ

ادارۂ ترجمان القرآن اچھرہ لاہور

اسلام اور مسلم خواتین

از : سیدہ اُمِ فاروق

- کتاب ــــ جو اسلام کا مطالبہ پیش کرتی ہے۔
- کتاب ــــ جس میں مسلم خواتین کے اوصاف و فرائض بیان کیے گئے ہیں۔
- کتاب ــــ جو دورِ حاضر میں اسلام کی تعبیر و تعلیم کا نقشہ پیش کرتی ہے۔
- کتاب ــــ جس کے مطالعہ سے دل و دماغ کے شکوک و شبہات دور ہو جاتے ہیں۔
- کتاب ــــ جس کا آپ کو بہت انتظار تھا۔
- کتاب ــــ جو مسلم خواتین کو براہ راست مخاطب کرتی ہے۔

* تمام نگارشات سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ کے قلم سے
* تمام تعلیمات سید مودودیؒ کے لٹریچر سے ماخوذ

ضخامت :

قیمت :

اِدارہ ترجمان القرآن (پرائیویٹ) لمیٹڈ

اردو بازار ○ لاہور

فہرست مضامین

جلد ۱۰۷ | اپریل ۱۹۸۷ء مطابق شعبان ۱۴۰۷ھ | عدد ۲

ماہنامہ ترجمان القرآن لاہور

۵ - اے ذیلدار پارک، اچھرہ، لاہور

فون نمبر:- ۶۸۶۳۶---۳۲۴۴۶۸

زر سالانہ تیس روپے - فی پرچہ -/۳ روپے

سید حسین فاروق مودودی نے ایچ فاروق ایسوسی ایٹس لمیٹڈ لاہور سے چھپوا کر دفتر ترجمان القرآن اچھرہ لاہور سے شائع کیا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اشارات

پاکستان کا وجود ایک چیلنج ہے، ان قوتوں کے لیے جو پاکستان بننے نہیں دینا چاہتی تھیں اور بن گیا تو اب انہیں اس کا وجود اور جوازِ وجود تسلیم نہیں ہے۔

ایک بڑی سرزمین، زیادہ آبادی اور زیادہ وسائل کی مملکت جو پاکستان کے لیے نت نئے سانحات اور خطرات پیدا کرنے کا باعث ہے۔ اس نے عام صنعت کے علاوہ بھاری جنگی مصنوعات کی تیاری کے لیے جو کام اب تک کیا ہے، جتنی فوج تیار کی ہے جتنے اسلحہ بین الاقوامی منڈیوں سے خریدے ہیں، ایٹمی قوت کے انبار تباہ کاری کے لیے جس طرح جمع کیے ہیں۔ ڈپلومیٹک عالمی سطح پر ریشہ دوانیوں کا جو زور باندھا ہے، پورے کرۂ ارض کے پروپیگنڈے میں اس کا جو حصّہ ہے اور مسلمان ملکوں تک ہیں۔ تجارتی مال کی کھپت، اپنی مین پاور کو جگہ دلوانے اور تعمیری ٹھیکے حاصل کرنے کے لحاظ سے جو پیش قدمی کی ہے، اُسے ذرا نگاہِ غور سے دیکھیے اور پھر دو مسائل پر دماغ کو مرتکز کیجیے۔ ایک نظریۂ اسلامی پر کھڑے ہونے والے پاکستان کے بچے بچے اور ذرے ذرے کے تحفظ کا مسئلہ، دوسرا جنوب مشرقی ایشیا کی قیادت و سیادت کا مسئلہ۔

اِس سلسلے میں ہم نے اپنے آپ کو بنانے اور مضبوط کرنے میں کیا کارنامے سرانجام دیئے ہیں اور کس گول کو حاصل کیا ہے۔

یہ بات واضح ہو جائے، مایوس نہ میں ہوں اور نہ قارئین کو ہونا چاہیے۔ مطلوب خیر خواہانہ تعمیری جذبے سے خود احتسابی ہے کہ ہو کیا رہا ہے اور کرنا کیا چاہیے۔

صنعت میں ہمارا یہ حال ہے کہ ابتدائی روزمرہ ضرورت کی اشیاء جن کا استعمال نہایت کثیر ہوتا ہے وہ تک ہم درآمد کرتے ہیں۔

نوابی شان کا یہ حال ہے کہ نہ صرف کاریں اور ائرکنڈیشنز اور ٹیلی وژن سیلابی رفتار سے چلے آرہے ہیں اور ہمارے زرمبادلہ کا غبارہ اڑرہا ہے اور دواساز کمپنیاں تو گویا ہمارے سینوں پر چڑھ بیٹھی ہیں، بلکہ ستم مزید یہ ہے کہ بناؤ سنگھار کے سامان (جواہرات، زیورات، لپ اسٹک وغیرہ) اور جنس زدہ سماع کے ساتھ کلچرل دھماچوکڑی کے لیے سارے لوازم باہر سے نازل ہوتے ہیں۔

وزرا کا معاملہ توفوق الفوق ہے کہ ان کے لیے تنخواہوں اور مراعات اور گاڑیوں اور اقامت گاہوں اور سفری وسائل اور سہولتوں کے علاوہ پبلک معاملات کے اختیاراتِ خصوصی ایسے حاصل ہیں جو قارون کے نامعلوم خزانوں کی کنجیاں ہیں، کسی بھی خزانے کو کھولیے نودولت کی پریاں ناچتی نظر آتی ہیں۔ عام پارلیمانی ممبران کے لیے بھی اٹھنے والے مصارف اور ان کو ملنے والے امتیازات معمولی نہیں ہیں۔ وزرا، ممبران، سیکرٹری اور اعلیٰ درجے کے ملازمین سرکاری خرچ پر غیرممالک میں جاکر مہنگے علاج کراتے ہیں اور سیروتفریح کرتے ہیں۔ باہر سے سامانوں کے جو بڑے بڑے سودے ہوتے ہیں، کچھ معلوم نہیں کہ ان میں کیا کیا ہیرپھیر ہوتے ہیں۔ اور پھر یہ فوج کی فوج جب بدلتی ہے تو ہر کوئی نئے مطالبات اور نیا ذوق لے کے آتا ہے۔ حتیٰ کہ گاڑیوں کی اقسام سے لے کر گاڑیوں کے لنگ تک پر جھگڑے ہوتے ہیں۔ یہ ہیں انداز قوم کو قوم بنانے کے اور اسے دشمنوں سے بچانے کے۔ استغفراللہ!

رشوت و خیانت کا ایک ایسا طوفان[1] برپا ہے کہ عمائد حکومت اس کے زور شور کا خود اعتراف و اعلان کرتے ہیں اور اس کے ازالے کی امید دلاتے ہیں۔ ملک میں جس کو جس دائرے میں جس درجے کا اختیار

---

[1] گذشتہ چند ہفتوں میں مختلف محکموں کے اندر لاکھوں کروڑوں روپے کی خیانت کے مبینہ واقعات اخباروں میں آئے۔ معلوم نہیں کہ ان کا کچھ نتیجہ نکلے گا یا اندر ہی اندر معاملات ٹھپ جائیں گے۔ اور پھر اخباروں میں آنے والے زیرگرفت جرائم کے مقابلے میں دسیوں گنا تو گرفت سے باہر اور نگاہوں سے مخفی ہیں۔

حاصل ہے، وہ اسی کے حساب سے قوم کے خزانے یا زد میں آنے والے ہر شہری کی جیب پہ ہاتھ صاف کر رہا ہے۔ اور اس معاملے میں بڑا تنافس (RACE) پایا جاتا ہے۔ جیسے ہر کسی کو جلدی ہو کہ جتنا تیز رفتاری سے ممکن ہو۔ قوم کے زندہ جسم کی بوٹیاں نوش کر لی جائیں۔ کل معلوم نہیں کیا ہو جائے۔ کل کے لیے چونکہ کسی کو فکر نہیں، کوئی کچھ کر نہیں رہا، اسی لیے ہر کسی کی توجہ آج پہ ہے۔ آج ہی مجھے پلاٹ مل جائے۔ میری کوٹھی بن جائے، کار دروازے پہ آ کھڑی ہو، ٹیلی وژن لاؤنج میں رونق افزا ہو، پاؤں کے نیچے قالین بچھ جائیں، شاندار تقریبوں اور پارٹیوں اور ہوٹلوں اور کلبوں میں جا کر عزت حاصل کی جائے ـــــ ہائے یہ جھوٹی عزت!

یعنی قوم دونوں طرف سے شکاریوں میں گھری ہے۔ ایک شکاری تو باہر کی بڑی بڑی سرمایہ دار اور عیار اور طرار اقوام ہیں جو کبھی تھپکی دے کر اور کبھی دھمکی دے کر سیاسی اور اقتصادی اور دفاعی لحاظ سے ہماری رگِ گلو پہ پنجے گاڑے رکھتی ہیں۔ دولت کھنچی چلی جا رہی ہے اور ہم افلاس زدہ لوگ انھی مہربانوں سے قرض لیتے ہیں۔ قرض مسلسل لیتے ہیں۔ قرض ادا کرنے کے لیے پھر اور قرض لیتے ہیں۔ اقتصادی پستی اور بڑھ جاتی ہے۔ دوا کرتے ہیں تو مرض اور بڑھتا ہے، کیونکہ اسی عطار کے لونڈے سے دوا لیتے ہیں جس کے سبب "ایڈز" کا مرض لاحق ہوا ہے۔

دوسرے شاداب چہرہ، قمری نوا اور شاہین پہ دانہ اور چھینے کی نگاہ رکھنے والے شکاری ہمارے اندر پائے جاتے ہیں۔ ان کی کرم فرمائیوں کی وجہ سے کوئی انڈسٹری لگانا اور اسے دیر تک کامیابی سے چلانا اور دو دو، تین تین حساب رکھ کر اس سے کالا دھن نچوڑے بغیر مالکوں کا بہ حیثیت صنعت کار زندہ رہنا ممکن نہیں۔ اور پھر یہ اندر کے شکاری باہر سے آنے والے قرضوں کا بھی کئی فیصد حصہ غت ربود کر جاتے ہیں۔ نتیجہ اور زیادہ غریبی' اور زیادہ پستی کے سوا کیا ہو سکتا ہے۔ اور اگلا نتیجہ یہ کہ اور زیادہ قرض لیے جائیں۔ اور جن ملکوں کے ہم مقروض ہیں ان کی فہرست اتنی طویل ہے اور ان میں اتنی چھوٹی چھوٹی ریاستیں شامل ہیں کہ جاننے والے کی گردن شرم سے جھک جاتی ہے۔

یہاں وزارتوں کی قیمتیں لگتی ہیں، ممبری کے نذرانے دینے پڑتے ہیں۔ آئندہ انتخاب میں کامیابی کے لیے ابھی سے قانونی اور غیر قانونی رشوتیں چل رہی ہیں۔ امتحانات پاس کرنے، افسر کے ڈویژن لینے، نوکریوں کے لیے انٹرویوز میں اچھے نمبر لینے، معتلی تک کی نوکری کرنے، خاص خاص ٹھکانے

حاصل کرنے وغیرہ تمام معاملات کے (RATES) مقرر ہیں۔ باقی رہے ٹھیکے، محکموں اور دفتروں کے لیے سامانوں کی خریداریاں اور بڑے بڑے بند یا ہوائی اڈے یا پل تعمیر کرنے کے کام، سو یہ "امیر پروری" کا وسیلہ ہیں۔ ان احوال کی صحیح گواہی تو سوئٹزرلینڈ اور دوسرے مغربی ممالک کے بنکوں کے حسابات ہی دے سکتے ہیں جو خفیہ ہیں[1]۔

اِس پورے حالِ زار کو سامنے رکھا جائے تو یوں معلوم ہوتا ہے کہ باہر کے دشمنوں کو تو ہم نے یونہی نشانہ بنا رکھا ہے۔ اپنے اصل دشمن تو ہم خود ہی ہیں۔ ہم اپنے آپ کو توڑ رہے ہیں، کاٹ رہے ہیں، کچل رہے ہیں، پیس رہے ہیں، ایک دوسرے سے ٹکرا رہے ہیں، ذبح کر رہے ہیں، بوٹیاں کھا رہے ہیں اور خون پی رہے ہیں اور بموں اور گولیوں سے قیامت اٹھا رہے ہیں۔

قوم کے دماغوں کا حال یہ ہے کہ وہ سیاست کے بے شمار محاذ بنا کر ایک دوسرے سے اُلجھ رہے ہیں ٹکراتے بیانوں اور انٹرویوز سے تمام آبادی کو پریشان کر رہے ہیں۔ جمہوریت کو جمہوری عقلوں کی چھُری سے ذبح کیا جا رہا ہے۔ مذہبی حضرات محراب و منبر کے محاذوں سے قوم کو پھاڑنے والے "جدالِ غیر احسن" میں مصروف ہیں۔ اسمبلیوں والے طرح طرح کی تحاریکِ التوا اور تحاریکِ استحقاق میں تر۔۔ف کر رہے ہیں۔ مختلف واقعات و احوال پر بار بار لمبی بحثا بحثی ہوتی ہے۔ جب سے یہ دَورِ جمہوریت شروع ہوا ہے، قومی اسمبلی کے ٹھوس کام کی مقدار بے حد کم ہے۔ اخبارات عورتوں کی تصاویر چھاپنے کے مقابلے میں لگے ہوتے ہیں۔ مضامین اور کالم ایسے لا رہے ہیں کہ فکری انتشار زیادہ سے زیادہ پھیلے۔ ٹیلی وژن نوجوانوں اور بچوں کے لیے اپنے پروگراموں میں ہیروئن ملا کر ذہنوں کو مسحور کر رہے ہیں۔ مذہب اور مذہبی کرداروں کے خلاف آئے دن فضولیات سامنے آتی ہیں۔ جنس اور مغرب کی رندانہ ثقافت کو گھر گھر میں روزانہ پہنچایا جا رہا ہے۔ گویا فکری اور ثقافتی لحاظ سے میٹھے اور ہلکے زہر کی خوراکیں مریضوں کو دی جا رہی ہیں۔ علاقائی اور نسلی گروہوں میں برتری اور علیحدگی کے رجحانات پھیل رہے ہیں۔ نوجوانوں میں مایوسی اور اضطراب ہے۔

ع کیا زمانے میں پنپنے کی یہی باتیں ہیں

[1] ہم نے جن باتوں کو اشاروں میں لکھا ہے، ان کے متعلق تفصیلی رپورٹ، خبریں، تقریریں اور بیانات اخباروں میں شائع شدہ ہیں اور ہماری نظر میں ہیں۔

انتہائی پریشان کن صورتِ حالات یہ بھی ہے کہ اندر کے تخریب کار تو رہے بجائے خود، باہر سے غیر ملکی بھی (اور ملک والے بھی باہر سے تربیت پاکر آنے والے بھی) بلکہ نظامِ جرم کاری کے سررشتہ دار بھی ہر قسم کی نگرانی سے آزاد ہیں۔ روس اور بھارت اور اسرائیل کے مرسلہ لوگ بھی جب چاہیں پاکستان میں داخل ہو جائیں، جدھر چاہیں گھومیں، جہاں چاہیں رہیں، جس سے چاہیں ملیں، وہ احتسابی نگاہوں کی زد میں نہیں ہیں۔ جرم یا تخریب کاری یا دہشت انگیزی سے پہلے ان کو پکڑا نہیں جاسکتا ہے۔ اور اپنی کارروائی کرنے کے بعد وہ ہاتھ نہیں آتے۔ کوئی شخص ہاتھ آ جائے تو وہ کسی نہ کسی طرح قانون کی گرفت سے نکل بھاگتا ہے۔

یہ قصۂ درد تو بہت لمبا ہے اور اس کی تفاصیل عرض کرنے کے لیے وقت چاہیے اور لاتناہی صفحات چاہئیں۔ اشاروں سے ہی کام چلاتے ہیں۔

جن حالات میں پاکستان بنا، ایک علاقائی اکثریت کے خلاف مسلم اقلیت نے زور لگا کر بنوایا۔ اور پھر اس اکثریت کی سیاسی قوت اور اس کے لیڈروں کا جو نقطۂ نظر تھا سب واضح شکل میں ریکارڈ پر ہے۔ بلکہ مشرقی پاکستان کو بنگلہ دیش بنانے پر اس کی قائدہ نے کہا کہ ہم نے ایک ہزار سال کا بدلہ لے لیا ہے۔ حالانکہ بدلہ ابھی جاری ہے۔ وہ بدلہ ایک تو پاکستان نہ آسکنے والے مسلمانوں سے لیا جارہا ہے، دوسرے اسلامی تاریخ اور آثار اور اردو زبان اور مسلم پرسنل لا سے لیا جارہا ہے۔ بدلہ یہ بھی ہے کہ کشمیر کا مسئلہ ڈپلومیسی سے دبا دیا گیا ہے، سیاچین گلیشیر پر چڑھائی کی گئی ہے، ہمیں مشکل میں ڈالنے کے لیے روس سے گٹھ جوڑ کر لیا گیا ہے اور اسرائیل سے یارانہ گانٹھ لیا گیا ہے۔ آج بدلہ لینے والی قوم کی فوجیں بھاری تعداد میں۔ بے حساب مشینی وسائل اور اسلحہ اور بارود کے ساتھ بارڈر کے اوپر موجود ہیں۔

سندھ میں اس کے ہم مذہب کارندے اسی انداز سے کام کر رہے ہیں، جس پر ویسے ہی کارندوں نے مشرقی پاکستان میں کیا تھا، اور یہاں یہ حال ہے کہ ہمارے مالدار لوگ کڑاہی گوشت اور مٹھائی اور آئس کریم اور کبابوں کی دکانیں قطار در قطار کھول رہے ہیں اور گاہک یوں کھانے

پر ٹوٹے پڑ رہے ہیں جیسے اور کوئی کام دنیا میں رہا ہی نہیں۔ یہ رنگ دیکھ کر ہم بھی خوش ہوتے ہیں کہ بڑی خوشحالی ہے اور دوسروں کو بھی یہ تماشا دکھاتے ہیں کہ دنیا بھر کی مقروض قوم کی توانائی کا حال دیکھیے۔ فی الحال تو قرض کی مے پینے ہیں۔ آگے ہماری فاقہ مستی جو رنگ لائے گی، دیکھ لیں گے۔

اگر اس قوم کو زندہ اور صاحبِ ایمان رہنماؤں کی ٹیم ملتی تو وہ لوگ صدارتیں اور وزارتیں کر کے اور جرنیل اور سیکرٹری اور جج بن کے معتدل فقر کا رنگ اختیار کرتے اور پھر قوم کو پکارتے کہ اے بوڑھو اور جوانو اور ماؤ اور بہنو! ہمیں جو خطہ ملا ہے، اسے باوجود غریبی اور قلتِ تعداد کے ہمیں نہ صرف بڑی بڑی خونخوار طاقتوں سے بچانا ہے، بلکہ اسی میں اسلامی نظامِ حیات کو اس طرح استوار کرنا ہے کہ وہ گلی گلی اور کونے کونے میں پھیل جائے اور ملک میں ایک غریب ترین آدمی بھی اس کی سعادتوں اور برکتوں سے محروم نہ رہے ـــ لہٰذا آؤ، ہمارے ساتھ مل کر ۵۰ سال فقر کے گزارو۔ اس عرصے میں صرف زندگی کی ضروریات پر اکتفا کرو۔ آسائش اور تنعم کو چھوڑ دو، کام کرو، دستکاریاں چلاؤ، تجارت کو پھیلاؤ۔ مزدوری کرو، علم حاصل کرو، سائنس پڑھو، ایجادات کرو۔ ضرورت کی ہر چیز ملک میں بنانا شروع کرو اور درآمد صرف وہ چیز کرو جس کا تعلق زندگی اور موت کے مسائل سے ہو۔ زراعت میں اس طرح جان کھپاؤ کہ زمین کا کوئی چپہ بے کاشت کے نہ رہنے دو اور ہر سال اپنے "ہلوں" کی لکیروں کو پھیلاؤ، بڑھاؤ۔ کھاد، زرعی آلات، ٹیوب ویل، کیڑے مار دوائیں حکومت سستے داموں قرض پر فراہم کرے گی ـــ تمام پیداواروں کے انبار لگا دو۔ اور عالمی منڈیوں پر چھا جاؤ۔

آؤ مل کر خدا کی عبادت بھی کریں، اس کی منشا کے مطابق علم بھی حاصل کریں، اس کی شریعت پر کاربند بھی ہوں۔ اور اس کی خلق کردہ دولت سے بھی زیادہ سے زیادہ حصہ حاصل کریں اور اس دولت سے دین و وطن کی تعمیر کا اجتماعی کام تیزی سے سرانجام دیں۔

افسوس کہ یہ راستہ کوئی نہ اختیار کر سکا، اور اگر اسے جلد اختیار نہ کیا گیا تو یا تو ایک بار پھر غلامی کی سزا بھگتنی ہوگی، یا نیم غلامی کی یہ صورت کہ اپنے اجتماعی وجود کو دنیا کے کسی نہ کسی ساہوکار کے سامنے ہمیشہ کے لیے گروی رکھ دیا جائے۔ اور یہ صورت بڑی حد تک پیدا ہو چکی

ہے۔ بیرونی تہذیب، بیرونی افکار، بیرونی مقاصد، بیرونی اطوار کی پوری شانِ مقلدیت و مسحوری کے ساتھ اختیار کر رہے ہیں اور مجالِ سرتابی نہیں ۔ اس غیر مرئی جال کے حلقے ابھی اور تنگ ہوں گے اور پھر آہ و فریاد کا بھی اذن نہ ہوگا ۔ ایک نئی قسم کا امپریلزم یا سامراج تیزی سے نشوونما پا رہا ہے ۔ اور اس کا شکار بننے والوں میں ہم اس لحاظ سے درجہ اوّل رکھتے ہیں کہ کان "کھڑ" تک نہیں ہلاتے بلکہ من تو شدم تو من شدی کا وظیفہ جاری ہے ۔

خاتمۂ کلام سے پہلے دنیا کی غلام ساز طاقتوں (جن کے پاس دولت، علم، ٹیکنالوجی اور ڈپلومیسی اور جارحیت ہے)، کا گھناؤنا چہرہ آپ کے سامنے پشاور کے سابق انگریز چیف کمشنر سر جارج روس کیپل کے چند کلمات رکھتے ہیں، جو ایک مکالمہ میں انہوں نے مولانا محمد علی (کیبنٹ ،قصور) مرحوم سے جولائی ۱۹۱۸ء میں کہے :

" سر جارج نے مسکرا کر کہا کہ اس خیال (اسلامی حکومت کے قیام) کو دل سے نکال دیجیے ۔ انگریزی حکومت ایسی دُور اندیش اور عقل مند ہے اور مسلمان من حیث القوم اس قدر بے وقوف کہ آسانی سے خریدے جا سکتے ہیں ۔ کبھی بھی ان کے رہنماؤں کو خریدنے میں دقت پیش نہیں آئی ۔ اگر ہمیں مولوی محمد علی نہیں مل سکتا تو کئی اور محمد علی مل جائیں گے ۔ اور یہ میں آپ کو بتلا دینا چاہتا ہوں کہ مسلمان ایسی سادہ لوح قوم ہے کہ وہ اپنے اصل رہنماؤں کی پیروی کے بجائے ہمارے منتخب کردہ یا نامزد کردہ رہنماؤں کی دیوانہ وار پیروی کریں گے ۔ ان کی تاریخ یہی ثابت کرتی ہے ۔ وہ اپنے رہنماؤں کی پیروی نہیں کرتے، پرستش کرتے ہیں ۔ اور جو قوم اپنے رہنماؤں کی پرستش کرتی ہے وہ ان کی غلطیوں کو نہ صرف نظر انداز کرتی ہے، بلکہ انہیں بھی محاسن میں شمار کرتی ہے ۔ مولوی صاحب ! ذرا سوچیے کہ ہم نے کیونکہ مسلمانوں کے انہی علماء و مشائخ کی مدد سے محمد بن عبدالوہاب نجدی کی تحریک کو فنا کر دیا ۔ ہندوستان میں سید احمدؒ صاحب بریلوی اور شاہ اسمٰعیل شہیدؒ کی تحریک کو ملیامیٹ کر دیا ۔ ترکی اور ایران میں سید جمال الدین افغانی اور مدحت پاشا کی تحریک کو کچل دیا ۔ اور یہ سب کام آپ کے اپنے علماء و مشائخ نے کیا ۔ آپ بھی اگر سرکارِ انگریزی کے خلاف چلیں گے تو آپ

کا وہی حشر ہوگا جو آپ سے پیشتر انگریزی حکومت کے دشمنوں کا ہوا۔ میں پھر آپ سے کہتا ہوں کہ ہم آپ کو بڑی سے بڑی ملازمت پیش کر سکتے ہیں، تاکہ آپ کی قابلیت اور چمکے اور آپ دُنیائے اسلام کی ممتاز ترین ہستیوں میں شمار ہونے لگیں۔

(مشاہداتِ کابل و یاغستان از مولانا محمد علی دکینٹ، مرحوم ص ۱۷۰-۱۷۱)

اِس عبارت میں سے سرجارج اور انگریزی حکومت کے ناموں کو نکال دیجیے اور دونوں کی جگہ "نیا ثقافتی و اقتصادی سامراج" کے الفاظ رکھ دیجیے تو بات سمجھ میں آسکے گی۔ اور بات سمجھ میں آجائے تو پھر آپ یہ بھی سمجھ لیں گے کہ ہم لوگ ایک بہت ہی فراخ غیر مرئی پنجرے میں بند ہیں، جس میں ہماری پوری دُنیا آباد ہے اور اسمبلیاں ہیں، باڑہ مارکیٹیں ہیں، کسٹم ہاؤس ہیں، ہیرا منڈیاں ہیں، آرٹ کونسلیں ہیں، مینا بازار ہیں، شبانہ تفریح کی مخلوط محفلیں ہیں۔ نیم عریاں جسم ہیں، فضا میں بے حجاب نسائی چہرے تیرتے پھر رہے ہیں۔ اخباروں میں ایک ایک فٹ کی نسائی تصویریں چھپ رہی ہیں اور شراب کی بوتلوں کے کاگ اُڑ رہے ہیں۔ اپنے اس مقام کو آپ سمجھ لیں تو پھر بڑی آسانی سے آپ ایک شعر سُن کر، ایک مجلس کا رنگ دیکھ کر، ایک ڈرامے کے کرداروں کو ملاحظہ کر کے، لیڈروں اور علماء کی تقریروں اور بیانوں کا جائزہ لے کر، نمائشِ حسن کے کسی بھی انداز سے بہرہ مند ہو کر، کسی آرٹسٹ کے آرٹ سے حظ اٹھا کر، سِلے سلائے کپڑوں کے ڈیزائن دیکھ کر، زبان میں بیرونی لفظوں اور اندازِ بیان کی غیر فطری ملاوٹ اور گھلاوٹ کا جائزہ لے کر، اداکاروں اور اداکاراؤں اور مغنیوں اور مغنیات کے اعزاز و اکرام کو دیکھ کر یہ جان سکیں گے کہ یہ ذہنی غلامی کی اس آدم خور بیل کے پھول پتے ہیں جو نئے سامراج کے غیر مرئی قفس کی سنہری یا ڈالری تیلیوں پر پھیلتی چلی جا رہی ہے اور ہم اس کی ایک ایک کونپل کو چومتے ہیں۔ اس بیل کے زہریلے اثرات کے فضاؤں میں پھیلنے کا اثر یہ ہے کہ خدا کی دین کی امانت دار قوم کے دانش ور لادین سیاست کا ر سیکولرازم کے بُت کے سامنے سر جھکا کر عبادتی گیت گا رہے ہیں۔

پھر کیا آپ اس مصیبت سے بچ نکلنا چاہتے ہیں؟

اِس کا ایک ہی علاج ہے ـــــ خدا کے سامنے جُھک جائیے، رسولؐ اللہ کا دامن تھام لیجیے اور قانونِ شریعت کے سایے میں آجائیے۔ صرف اس طرح نئے شعور اور نئی زندگی اور ذوقِ تحفظ اور جذبۂ استحکام اور فروغِ آزادی کا اہتمام ہوسکتا ہے۔

ورنہ خود پیدا کردہ ناخوشگوار حالات کے کھرل میں پڑے ہوئے تقدیر کے ہاون دستے سے پِستے رہیے۔ جسے حرکت میں رکھنے کے لیے جبریت پسند قوتوں کے متعدد ہاتھ موجود ہیں۔

تقدیر کے نشتر ہیں، فرعون ہوں یا چنگیز

یہ باتیں صرف آپ کو جھنجوڑ کر بیدار کرنے کے لیے ہیں۔ اگر اب بھی کروٹ لے سکیں اور آنکھیں کھول سکیں تو شاید یہ اُلجھی ہوئی بازی جیتی جاسکتی ہے۔

حکمتِ سیّد مودودیؒ

اقتباس کردہ: یکے از قارئینِ درد مند

ضعفِ ارادہ کا ابتدائی ظہور کام چوری کی صورت میں ہوتا ہے۔ آدمی ذمہ داریاں قبول کرنے سے جی چرانے لگتا ہے۔ مقصد کی راہ میں وقت، محنت اور خرچ کرنے سے گریز کرنے لگتا ہے۔ دنیا کے ہر دوسرے کام کو اس کام پر ترجیح دینے لگتا ہے۔ جسے زندگی کا نصب العین قرار دے کر آیا تھا۔ اس کے اوقات میں، اس کی محنتوں میں، اس کے مال میں، اس کے نام نہاد مقصدِ حیات کا حصہ کم سے کم ہوتا چلا جاتا ہے۔ اور جس جماعت کو وہ برحق جماعت مان کر اس سے وابستہ ہوا تھا، اس کے ساتھ بھی وہ صرف نظم اور ضابطے کا تعلق باقی رکھتا ہے۔ اس کے بھلے اور برے سے کوئی غرض نہیں رکھتا، نہ اس کے معاملات میں کسی قسم کی دلچسپی لیتا ہے۔

یہ حالت کچھ اس طرح بتدریج طاری ہوتی ہے جیسے جوانی پر بڑھاپا آتا ہے، اگر آدمی اپنی اس کیفیت پر نہ خود متنبہ ہو اور نہ کوئی اسے متنبہ کرے، تو کسی وقت بھی یہ سوچنے کی ضرورت محسوس نہیں کرتا کہ جس چیز کو میں اپنا مقصدِ زندگی قرار دے کر جان و مال کی بازی لگانے کے لیے اٹھا تھا۔ اس کے ساتھ اب یہ کیا معاملہ کرنے لگا ہوں۔ یوں محض غفلت اور بے خبری کے عالم میں آدمی کی دلچسپی و وابستگی بے جان ہوتی چلی جاتی ہے۔ حتیٰ کہ کسی روز بے خبری ہی میں اس کی طبعی موت واقع ہو جاتی ہے۔

جماعتی زندگی میں اگر پہلے آدمی کے اندر اس کیفیت کے ظہور کا نوٹس نہ لیا جائے۔ اور اس کی نشوونما کو روکنے کی فکر نہ کی جائے تو ایک ضعیف الارادہ شخص کی چھوت

دوسرے تمام ان لوگوں کو لگنا شروع ہو جاتی ہے جن کے اندر ضعفِ ارادہ پیدا ہو رہا ہو، اُونگھتے کو ٹھیلتے کا بہانہ مل جاتا ہے۔ اچھے خاصے سرگرم آدمی دوسروں کو کام نہ کرتے دیکھ کر خود بھی کام چھوڑ بیٹھتے ہیں، اور کوئی اللہ کا بندہ یہ نہیں سوچتا کہ میں کسی اور کے نہیں، خود اپنے مقصدِ حیات کی خدمت کے لیے آیا تھا۔ اگر دوسرے اپنا مقصد چھوڑ چکے ہیں تو میں اپنے مقصد سے کیوں دستبردار ہو جاؤں۔ ان لوگوں کی مثال اس شخص کی سی ہوتی ہے جو صرف اس لیے جنت کے راستے پر چلنا چھوڑ دے کہ دوسرے ساتھیوں نے چھوڑ دیا ہے۔ گویا جنت اس کی اپنی منزلِ مقصود نہ تھی، یا یا وہ اس شرط کے ساتھ جانا چاہتا تھا کہ دوسرے بھی وہاں جائیں اور شاید دوسروں ہی کے ساتھ وہ جہنم جانے کا ارادہ بھی کرے۔ اگر انہیں اس طرف جاتے دیکھے، کیونکہ اس کا اپنا مقصد تو کوئی نہیں ہے۔ جو کچھ دوسروں کا مقصد ہے، وہی اس کا بھی ہے۔ اس ذہنی کیفیت میں مبتلا ہو جانے والے لوگ ہمیشہ کام نہ کرنے والوں کو مثال بناتے ہیں، کام کرنے والوں میں انہیں کوئی قابلِ تقلید مثال نہیں ملتی۔

عالمِ اسلام اور یہودی سازش

جناب پروفیسر سید محمد سلیم صاحب

یہودی دنیا کی عجیب و غریب قوم ہے۔ تاریخ میں اس کا کردار دوسری قوموں سے بالکل مختلف نظر آتا ہے۔ اس کی وجہ اس کی مخصوص ذہنی تشکیل ہے۔ یوں تو دنیا میں اور بھی اقوام ہیں، جن کو پیدائشی طور پر برتری کا دعویٰ ہے۔ مثلاً ہندو، جرمن اور جنوبی افریقہ کے سفید فام۔ لیکن ان میں سے کسی ایک نے بھی نسلی برتری کو قومی عقیدہ، قومی فلسفہ اور مستقبل کا قومی منصوبہ نہیں قرار دیا۔ قومی جدوجہد کا اس کو محور و مرکز نہیں قرار دیا۔ اس معاملہ میں یہودی قوم بالکل نرالی قوم ہے۔ اس کی ماضی کی تاریخ اور اس کے مستقبل کے عزائم کو صرف ایک جملہ میں ادا کیا جا سکتا ہے۔ ان کی مذہبی کتاب "تالمود" میں درج ہے:

"یہودی اللہ تعالیٰ کی منتخب کردہ قوم ہے۔ اس کو حق پہنچتا ہے کہ وہ تمام انسانوں پر اپنا حکم نافذ کرے۔"

ایک دوسری جگہ اس میں درج ہے:

"جس طرح حیوانوں میں انسان افضل ہیں، اسی طرح یہودی تمام انسانوں میں افضل ہیں۔ یہودیوں کے علاوہ تمام انسانوں میں بہیمیت اور دنائیت پائی جاتی ہے۔"

قرآن مجید نے بھی ان کا یہ دعویٰ نقل کیا ہے:

"وہ کہتے ہیں کہ غیر یہودیوں کا ہم پر کوئی حق نہیں ہے۔ وہ دیدہ و دانستہ اللہ پر جھوٹ بولتے ہیں"۔ (آل عمران - ۷۵)۔

اکابر صہیون کی سیاسی دستاویز (PROLOCOL OF THE ELDER'S OF THE ZION) جس کو آج کل کے یہودی قومی منشور کا درجہ دیتے ہیں۔ اس میں بھی درج ہے:

"ہم غیر یہودیوں سے افضل ہیں۔ یہ لوگ آنکھیں تو رکھتے ہیں، مگر دیکھ نہیں سکتے، بجز مادی اشیاء کے۔ اس سے ظاہر ہے کہ فطرت نے ہمیں حاکم بنایا ہے اور دنیا کے تمام انسانوں کو محکوم بنایا ہے"۔

کئی ہزار سال سے برتری اور حاکمیت کا یہ تصور یہودی قوم کے دل دماغ میں رچا بسا موجود ہے۔ اس تصور نے یہودی قوم کے دل و دماغ کو متاثر کیا ہے۔ اس تصور کے اثرات مثبت کم ہوئے اور منفی زیادہ ہوئے ہیں۔ ان کی تاریخ میں یہ اثرات نمایاں نظر آتے ہیں۔ آج سے قبل کی تاریخ میں کل دو مرتبہ ان کو حکومت و سلطنت کا موقع ملا ہے۔ پہلا موقع گیارہ صدی قبل مسیح میں، جو چار سو سال تک جاری رہا۔ جس کو اشوریہ کے بادشاہ بخت نصر نے ساتویں صدی قبل مسیح میں ختم کر ڈالا۔ بیت المقدس کو تباہ کر دیا۔ ہیکلِ سلیمانی کی اینٹ سے اینٹ بجا دی۔ اور پوری یہودی قوم کو غلام بنا کر اشوریہ (عراق) لے گیا۔ ڈھائی سو سال کی محکومی اور غلامی کے بعد اس کو رہائی ملی — جلاوطنی کے بعد یہ پھر فلسطین میں آئے اور ایک حصہ پر حکمران ہو گئے۔ اس مرتبہ بھی چار سو سال سے زیادہ حکومت کرنے کا موقع نہیں ملا کہ پہلی صدی مسیحی میں رومیوں نے شام پر قبضہ کر لیا۔ اور یہودیوں کو جلاوطن کر دیا۔ جس کے بعد وہ پوری دنیا میں منتشر ہو گئے۔ اس کو وہ (DIASPORA) کہتے ہیں۔ اب انہوں نے یہ عقیدہ بنایا کہ اب ہم مسیحا کی قیادت میں ارض مقدس میں داخل ہوں گے، اس سے پہلے نہیں۔

برتریت کی خواہاں یہودی قوم کو غلامی، محکومی اور ذلت سے طویل سابقہ پیش آیا۔ اس بات نے یہودی قوم کی ذہنی تشکیل پر خاص اثر ڈالا۔ اس کی تشکیل ایک خاص نہج پر استوار ہوتی ہے۔ اس موقع پر انہوں نے یہ عقیدہ گھڑا کہ فی الحقیقت دنیا میں حکومت کرنے کا حق تو ہمارا ہے، لیکن کبھی ہم ظاہر ہوتے ہیں اور کبھی باطن۔ تاریخ میں پہلے ہم پر دور مستوری تھا، پھر دورِ ظہور آیا، پھر ہم

دورِ مستوری میں چلے گئے ہیں۔ اور آخر میں مسیح موعود کے ہمراہ ہمارا دورِ ظہور شروع ہوگا۔ ۱۹۴۸ء میں اسرائیلی ریاست کے قیام کے بعد ان کے اندر اختلاف رائے پیدا ہوگیا ہے۔ ایک فرقہ کہتا ہے کہ مسیح کے ساتھ ارض مقدس میں جائیں گے۔ اس سے قبل جانا حرام ہے۔ یہ لوگ اسرائیلی ریاست کے خلاف ہیں۔ دوسرے فرقہ نے یہ تاویل کی ہے کہ مسیح موعود کا دور شروع ہوچکا ہے۔ ہماری ریاست قائم ہوگئی ہے، البتہ جب ہمارا قبضہ تمام ارض موعود پر مکمل ہوجائے گا تب مسیح موعود ظاہر ہوجائیں گے۔

ہزاروں سال سے یہ قوم آمدِ مسیح اور ارضِ مقدس کے وعدہ پر زندہ ہے اور پوری دنیا پر حکمرانی کا خواب دیکھتی رہی ہے، مگر حقائق اور واقعات کی دنیا میں ہر جگہ ذلیل و خوار اور غلام و محکوم رہی ہے۔ ان حالات کے پیش نظر اس کے اندر ایک طرف اخفا اور رازداری اور دوسری طرف سازش و عیاری کا پیدا ہونا لازمی امر تھا، چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ دونوں رذائل یہودی قوم کے کردار کا لازمی حصّہ نظر آتے ہیں۔ تاریخ میں جتنی بھی بڑی بڑی سازشیں ہوئی ہیں۔ ان کا سررشتہ یہودی قوم کے ہاتھ میں نظر آئے گا۔ دنیا میں کتنی ہی لڑائیاں انھوں نے بھڑکائی ہیں، لیکن اخفا کا کمال یہ ہے کہ بہت کم راز فاش ہوسکا۔

یہودیوں کی اس سازشی فطرت کا نتیجہ ہے کہ یہ کسی ملک کے ہمدرد و بہی خواہ نہیں رہے۔ ان کا راز فاش ہونے کے بعد مختلف ملکوں نے ان کو اپنی سرزمین سے نکال باہر کر دیا ہے۔ شام سے ۵۰، قبل مسیح میں نکالے گئے، فلسطین سے پہلی صدی عیسوی میں نکالے گئے۔ جزیرۃ العرب سے ۶۴۰ء میں نکالے گئے۔ انگلستان سے ۱۲۹۱ء میں نکالے گئے۔ فرانس سے ۱۳۰۶ء اور ۱۳۹۴ء میں نکالے گئے۔ بلجیم سے ۱۳۷۰ء میں نکالے گئے۔ چیکوسلواکیا سے ۱۳۸۰ء میں نکالے گئے۔ ہالینڈ سے ۱۴۴۴ء میں نکالے گئے۔ اسپین اور پرتگال سے ۱۵۰۰ء میں نکالے گئے۔ روس سے ۱۵۱۰ء میں نکالے گئے۔ اطالیہ سے ۱۵۴۰ء میں نکالے گئے۔ جرمنی سے ۱۵۹۱ء میں نکالے گئے۔ اور ۱۹۳۶ء میں ہٹلر نے ان کا قلع قمع کیا۔ قرونِ وسطیٰ میں جب سارے یورپ سے یہ نکالے جاتے تھے تو یہ عالمِ اسلام تھا جہاں ان کو پناہ ملتی تھی۔ عظیم یہودی کونسل (GRAND JEWSH CONCIL) کا دفتر پانچ صدیوں سے قسطنطنیہ ہے۔

ان جلاوطنیوں اور ہلاکتوں کے بعد انہوں نے مستقبل کے لیے ایک منصوبہ تیار کیا جس کو وہ (PROTOCOL OF THE ELDER'S OF ZIOUS) کہتے ہیں اور وقتاً فوقتاً اس پر نظرِ ثانی کرتے رہتے ہیں۔ آخری مرتبہ ۱۸۹۷ء میں سوئٹزرلینڈ کے شہر بیسل میں نظرِ ثانی ہوئی تھی۔ اتفاق سے اس مسودۂ دستاویز کا ایک نسخہ کسی طرح غیر یہودی ہاتھوں میں پہنچ گیا۔ جس کے بعد ان کے منصوبہ کا دوسروں کو بھی علم ہوا۔ سارے ملکوں میں یہودی پھیلے ہوتے ہیں۔ سارے ملکوں کی سیاسی حکومتوں پر اثر انداز ہونے کے لیے ان کو استعمال کیا گیا۔ اور خاطر خواہ نتائج حاصل ہوئے۔ ہر ملک کے سیاسی، معاشی معاملات میں وہ دخیل ہو گئے۔ اور اس ملک کی پالیسیوں کو اپنے حق میں ہموار کیا۔ فری میسن لاج، لائن کلب (LOIN) روٹری کلب (ROTERY) وغیرہ مخفی اداروں کے ذریعہ غیر یہودیوں کو اپنے لیے بطور آلۂ کار استعمال کرتے ہیں مسودۂ دستاویز میں اس کا ذکر ہے :

" ہم فری میسن لاجوں میں ایسے تمام اشخاص کو جذب کر لیتے ہیں، جو معاشرے میں نمایاں مقام کے حامل ہوں۔ خبروں کی بہم رسانی اور معاشرے پر اثر اندازی کے لیے یہ بہترین ذریعہ ہیں"۔

ایک اور جگہ لکھا ہے :

" غیر یہودی مویشیوں کو ہم نے فری میسن لاج کے نمائش خانوں میں جمع کر رکھا ہے"۔

اقوامِ عالم پر غلبہ حاصل کرنے کے اس منصوبہ کے متعلق اپنی یہودی قوم کو متنبہ کر کے وہ کہتے ہیں :

" ان باتوں کو غور سے سنو، ایسا نہ ہو کہ بزرگان صہیون کی صدیوں کی محنت رائیگاں چلی جائے"۔

ان کی نگاہ میں کوئی انسان کسی تکریم کا مستحق نہیں ہے۔ ان پر ہر قسم کا ظلم روا رکھا جا سکتا ہے۔ مسودۂ دستاویز (PROTOCOL) میں لکھا ہے :

" ہم نے غیر یہودی نوجوانوں کی نسلیں ان نظریات پر پروان چڑھائی ہیں جن کو

ہم خوب جانتے ہیں کہ وہ تباہ کن ہیں"۔

ساری دنیا کے انسانوں کو وہ کس نگاہ سے دیکھتے ہیں - اس کا اندازہ اس اقتباس سے ہو سکتا ہے:

"غیر یہودی بھیڑوں کا ایک گلہ ہے۔ اور ہم بھیڑیے ہیں - اور تم خود سوچ سکتے ہو کہ بھیڑوں کا کیا حشر ہوگا جب ان پر بھیڑیے آ پڑیں گے"۔

یہودیوں کی عالمی منصوبہ بندی کا بنیادی نکتہ یہ ہے کہ دنیا میں موجود ہر قسم کے استحکام اور پائداری کو انتشار اور اختلال سے بدل دیا جائے۔ خواہ وہ استحکام مذہبی ہو، اخلاقی ہو، سیاسی ہو، معاشرتی ہو، کیسا ہی استحکام ہو۔ منتشر اور پراگندہ گروہ ایک منظم قوم کے سامنے نہیں ٹھیر سکتا ہے۔

مسودۂ دستاویز میں لکھا ہے:

"اس لیے ضروری ہے کہ تمام مذاہب کا خاتمہ کر دیا جائے - اللہ کے تصور کو ہی غیر یہودیوں کے ذہنوں سے نکال دیا جائے۔ اور اس کی جگہ مادی منافع اور دو اور دو چار کی مادی فکر کو غالب کر دیا جائے"۔

ایک دوسری جگہ لکھا ہے:

"ہماری کوشش یہ ہونی چاہیے کہ عوام کے ذہنوں کو تنقید در تنقید کے عمل کے ذریعے مفلوج کر دیا جائے۔ اس کو سنجیدہ غور و فکر کے قابل ہی نہ چھوڑا جائے تاکہ وہ مزاحمت ہی نہ کر سکے - ان کے ذہن کو مالی خرابی، لفظی جنگ کے چکر میں الجھا دیا جائے"۔

ایک دوسری جگہ لکھا ہے:

"ان باہمی آویزش و پیکار سے ہم غیر یہودیوں کو اتنا خراب و خستہ کر دیں گے کہ وہ بخوشی بین الاقوامی اختیار ہمارے حوالے کر دیں گے - ہم پھر ساری دنیا میں ایک بالا ترین حکومت قائم کریں گے"۔

ایک جگہ لکھتے ہیں کہ یہ کام ہم کیسے کریں گے:

"خود غرضی اور انتقام، نفرت اور حقارت، حرص اور لالچ یہ ہمارے ہتھیار ہیں۔ ان سے ہم مختلف اوقات میں کام لیتے رہتے ہیں۔"

ایک جگہ اس کی تصریح کرتے ہیں کہ ہم کن لوگوں سے کام لیتے ہیں:

"ہمارے ملازم ہر قسم کے لوگ ہوں، شاہ پسند، جمہوریت پسند، سوشلسٹ، کمیونسٹ، خیالی پلاؤ پکانے والے۔ ان سب سے موقع بموقع ہم کام لیتے رہتے ہیں۔ یہ سب کام عقل، فکر اور تجدد کے نام پر لیے جاتے ہیں۔ ان سب کے پیچھے یہود کا مخفی ہاتھ کام کرتا رہتا ہے۔"

نشاۃ ثانیہ (یورپ) کے زمانے سے لے کر آج تک کی یورپ کی فکری تاریخ کو اگر بہ نظرِ غائر دیکھا جائے تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ یہودی قوم قدم بہ قدم اپنے مقاصد کے حصول کی سمت آگے بڑھ رہی ہے۔ سب سے پہلے مشرک یونان اور مشرک روما کے علوم و فنون کو تحریک احیاءِ علوم کے دور میں یورپ میں عام کر دیا۔ جس کے بعد یورپ میں مسیحیت کی گرفت ڈھیلی پڑ گئی۔ معاشرے میں معیارات اور اقدار مسیحی فیصلے کے مطابق نہیں رہے، بلکہ یونان اور روما کے ملاحدہ کے اقوال قرار پائے۔ اس کا لازمی نتیجہ آزاد خیالی لبرلزم کی صورت میں نکلا۔ جس نے اخلاقی پابندیوں کو ڈھیلا کر دیا۔ امن و امان کے نام پر لادینیت، سیکولرزم کی تحریک چلائی گئی۔ اور سیاست کے دائرہ سے مذہب کو خارج کر دیا گیا۔ اس کے بعد صورتِ حال یہ بنی کہ صدیوں کا آزمودہ دینی اور اخلاقی اقدار کا اندوختہ سرمایہ، بے لگام اور بے رحم لبرلزم کے مفکروں اور دانشوروں کے سامنے ایک کباڑی کی دوکان سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا تھا۔

ہر شخص انتشار کی ایک نئی صدا لگا رہا تھا، جس کا رد کرنے والا وہاں کوئی نہیں تھا۔ میکیاولی نے سیاست کے دائرے سے اخلاق کو اور خدا کو خارج کر دیا۔ نیوٹن نے کائنات کی جو توجیہہ پیش کی۔ اس میں خدا کے وجود کی نفی ہو گئی۔ ڈارون نے تخلیقِ کائنات و تخلیقِ آدم کے دائرہ سے خدا کو باہر کر دیا۔ فرائڈ نے ذہنِ انسانی کی تشریح اس انداز سے کی کہ نہ روح کا وجود باقی رہا اور نہ خدا کی ضرورت۔ ہیگل نے خدا کو رُوحِ مطلق قرار دیا۔ اور اس کو قابلِ تغیر بتایا۔ رسپی نوزا نے

خدا کے وجود کا انکار کر دیا۔ اس طرح کوئی چیز محترم و مقدس باقی نہیں رہی۔ مادہ باقی رہا جو انا و لا غیری کا نعرہ لگا رہا تھا۔ آئن سٹائن کے نظریۂ اضافیت کے بعد کوئی شے ازلی اور ابدی باقی نہیں رہی۔ ہر شے اضافی بن گئی۔ کارل مارکس نے قوموں کے عروج و زوال میں دستِ قدرت کی کارفرمائی ماننے سے انکار کر دیا۔ ان دانشوروں کا پیغام عوام تک پہنچانے کے لیے کچھ اور ڈھنڈورچی مل گئے۔ سب نے مل کر ایسا شور و ہنگامہ برپا کیا کہ کسی شے کا استحکام باقی نہیں رہا۔ سارے نظریات جو دیئے گئے وہ منفی تھے۔ اثبات کرنے والا نظریہ ایک بھی نہیں رہا۔ انسانیت کو صدیوں کے اندوختۂ افکار و نظریات اور اقدار سے عاری کر دیا، برہنہ کر دیا۔ جیسے بغیر لنگر کے جہاز ہو اور بے رحم موجوں کے حوالے کر دیا جائے۔

انسانیت کے قافلہ کو اس بدحالی تک پہنچانے میں یہودی فتنہ گروں کا ہاتھ ہے۔ بعض "دانشور" تو کھلم کھلا یہودی تھے۔ مثلاً اسپی نوزا، سگمنڈ فرائڈ، کارل مارکس، نطشہ، ولاڈمیر لینن، ٹراٹسکی، ایلبرٹ، آئن سٹائن اور دوسرے بہت سے لوگ ان کے آلۂ کار تھے۔ انھوں نے وطنیت، قومیت، بین الاقوامیت، سرمایہ داری، اشتراکیت، اشتمالیت، فسطائیت، آمریت، جمہوریت جیسے بیسیوں مخمصوں میں پھنسا کر پوری دنیا کا ذہنی اور عملی سکون غارت کر دیا۔ پوری دنیا کو سرگشتہ و حیران بنا ڈالا۔ فکری اور تہذیبی میدانوں میں یہودیوں کے پنجے گڑے ہوئے ہیں۔ وہ ساری دنیا کو نچا رہے ہیں۔

انیسویں صدی میں مغربی اقوام دنیا کے بیشتر حصوں پر قابض ہو گئیں۔ دنیا بھر کی قوموں کے سیاہ و سفید کا معاملہ یورپ کے چند حکمرانوں کی صواب دید پر منحصر ہو گیا۔ اس افرنگی استعمار کے پیچھے پیچھے یہودی سرمایہ دار کے اثرات بھی ساری دنیا میں پھیل گئے۔ اس لیے کہ یورپی اقوام کی سرمایہ داری کی طاقت پر یہود کا قبضہ تھا۔ بقول اقبال یورپ کی رگِ گردن پنجۂ یہود میں تھی — سرمایہ کاری کے راستہ سے یہود نے سیاست میں بھی پنجے جما دیئے۔ آج کل کی سیاسی دنیا میں ذرائع ابلاغ کی قوت بڑی زبردست ہے۔ حکومت کا کوئی ادارہ اس قوت کی مزاحمت کے سامنے ٹک نہیں سکتا۔ اس ذریعہ کو یہودیوں نے اپنے قبضہ میں کر لیا۔ نئی نسلوں پر اثر انداز ہونے کا سب سے اہم ذریعہ درس گاہیں اور جامعات ہیں۔ دنیا کی بیشتر جامعات میں یہودی اثر و نفوذ بہت زیادہ

ہے۔ اسلام سے متعلق علوم کے ماہر اساتذہ جن کو مستشرقین کہا جاتا ہے۔ وہ تقریباً سارے ہی یہودی ہیں یا یہودیوں کے شاگرد ہیں۔ انہوں نے اسلام کی تفہیم و تعبیر میں وہ ریشہ دوانیاں کی ہیں کہ الامان والحفیظ ہے۔ اسی لیے علامہ اقبال نے کہا تھا "جدید اسلام کی سب سے بڑی مصیبت مستشرقین کا وجود ہے۔ ان کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کر کے آنے والے مسلمان طلبہ آج عالم اسلام میں اہم مناصب پر فائز ہیں۔ اور اپنے استادوں کے افکار کو داخل کر کے اسلام کی صورت کو مسخ کر رہے ہیں۔ یہ سب کچھ ایک خفیہ منصوبہ کے تحت ہو رہا ہے۔ اور اس کا نتیجہ یہ نکل رہا ہے کہ شعوری یا غیر شعوری طور پر اقوام عالم یہود کے بنائے ہوئے خطوط پر گامزن ہیں۔"

آج کی دنیا میں روس اور امریکہ دو بڑی طاقتیں ہیں۔ اور عام خیال یہ ہے کہ ہر ایک دوسرے کی دشمن ہیں۔ ایک سرمایہ داری ریاست ہے اور دوسری سوشلسٹ ریاست ہے، مگر اصل حقیقت یہ ہے کہ دونوں ہی یہودی ذہن کی ساختہ پرداختہ ہیں۔ اور دونوں ہی یہودی اغراض کو پورا کر رہی ہیں۔ جس طرح مثبت اور منفی رَو مل کر بجلی پیدا کرتی ہے۔ امریکہ کی یہودی نوازی تو ظاہر ہے، لیکن روس کی سوشلسٹ ریاست بھی یہودیوں کی ساختہ ہے۔ سوشلزم کا نظریہ پیش کرنے والا کارل مارکس یہودی تھا۔ روس میں سوشلسٹ ریاست قائم کرنے والا ولاڈی میر لینن یہودی تھا۔ زارِ روس کی دشمنی میں قیصر ولیم شہنشاہ جرمنی نے لینن کو تین سو دیگر یہودیوں کے ہمراہ مع ساز و ساز اور رقم وافر سے بذریعہ گاڑی ماسکو پہنچایا، جنہوں نے اکتوبر ۱۹۱۷ء کا انقلاب برپا کیا۔ اولین انقلابی حکومت کے ۵۷۶ اہم مناصب میں سے ۵۷۴ مناصب پر یہودی قابض تھے۔

اسرائیلی ریاست کا تصور پیش کرنے والے تھیوڈور ہرٹزل کے الفاظ قابلِ غور ہیں:

"جب ہم ڈوبتے ہیں تو انقلابی پرولتاری بن جاتے ہیں۔ اور جب ہم ابھرتے ہیں تو ہمارے ساتھ زر کی عظیم قوت بھی ابھر کر سامنے آجاتی ہے۔"

اس قول کا مطلب یہ ہے کہ سوشلزم اور سرمایہ داری دونوں یہودی ذہن کے دو رُخ ہیں۔ اس حقیقت کے پیش نظر اس واقعہ کے سمجھنے میں کوئی دشواری نہیں محسوس ہونی چاہیے کہ ۱۹۴۸ء میں جب امریکہ اور برطانیہ نے اسرائیل کی ریاست قائم کی تو جس ملک نے اس کو تسلیم کرنے میں پہل کی وہ روس تھا۔ اسی حقیقت کی طرف اشارہ ہے جب الگزانڈس ہین لکھتا ہے:

"اگر سرخ فوج نہ ہوتی تو یہودی نہ یورپ میں ہوتے اور نہ فلسطین میں ۔ اور امریکہ میں بھی ہماری ملت ختم ہو جاتی ۔ سوویٹ روس نے درحقیقت یہودی قوم کو بچا لیا ۔ امریکہ کے یہودی عوام کو روس کا یہ احسان فراموش نہیں کرنا چاہیے"۔

مغربی استعمار کے جلو میں جب یہودی قوم کو مشرق و مغرب میں اس قدر غیر معمولی اثرات حاصل ہو گئے تو انیسویں صدی کے وسط میں انہوں نے فیصلہ کیا کہ ہمارے پاس سیاسی طاقت بھی ہونی چاہیے ۔ یہود کا ایک وطن ہونا چاہیے ۔ ایک مصنف کے بقول ۱۸۶۰ء سے پولینڈ اور مشرقی روس میں بسنے والے یہودیوں کے گھر گھر میں مناظرہ جاری تھا ۔ ایک گروہ کہتا تھا کہ فوراً وطنِ یہود قائم کر دیا جائے ۔ اور دوسرا گروہ کہتا تھا کہ پہلے سوشلسٹ ریاست قائم کی جائے وہ پھر آگے چل کر دولتِ یہود کے لیے راہ ہموار کرے گا ۔ دولت اسرائیل قائم کرنے کی تحریک تھیوڈور ہرٹزل کی رہنمائی میں بڑے زور شور سے جاری تھی ۔ یہ شخص بڑے وسیع تعلقات رکھتا تھا ۔ دنیا کے بیشتر حکمرانوں سے اس کے شخصی مراسم تھے ۔ اس کی کوششوں کے جواب میں زار روس سائبیریا کا وسیع علاقہ دینے پر آمادہ تھا ۔ برطانیہ نے آسٹریلیا اور یوگنڈا کا علاقہ دینے کی پیش کش کی ۔ لیکن یہودی قوم کی نگاہیں فلسطین پر جمی ہوئی تھیں ۔ اِس لیے انہوں نے روسی اور برطانوی پیش کشیں رد کر دیں ۔

فلسطین اس وقت خلافتِ عثمانیہ کا حصہ تھا ۔ اِس لیے پہلے سلطان عبدالحمید خاں پر ڈورے ڈالے گئے ۔ سلیمان منصور یہودی لکھتا ہے کہ "ہم نے چند کروڑ گنی سلطان عبدالحمید خاں کو پیش کیں کہ وہ فلسطین ہمیں دے دے ۔ سلطان نے صاف انکار کر دیا ۔ اور ہمارے آدمیوں کو حقارت سے باہر نکلوا دیا ۔ ہم نے طے کر لیا کہ وقت آنے پر اس متکبر کو خاک میں ملا دیں گے ۔ اور ترکوں کی حالت امریکہ کے ہندوستانی احمر سے بھی بد تر بنا دیں گے ۔" ہرٹزل نے اپنی ڈائری میں لکھا ہے کہ پیش کش کے جواب میں سلطان نے کہا "ڈاکٹر ہرٹزل کو مطلع کر دو کہ وہ فلسطین میں ریاست یہود بنانے کا خواب ترک کر دے ۔ جب تک سلطنتِ عثمانیہ موجود ہے ۔ ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا۔"
یہ ۱۹۰۲ء کا واقعہ ہے ۔ اس کے بعد ہی نوجوان ترکوں نے اور فوجی جرنیلوں نے "اتحاد و ترقی" کے نام سے ایک انجمن قائم کی جس نے آگے چل کر سلطان کو معزول کیا اور خلافت کا خاتمہ کیا ۔ اس سلسلہ

میں نیسٹا ویبسٹر (NESTA WEBESTER) کا بیان سننے کے قابل ہے۔ وہ لکھتا ہے:

"نوجوان ترکوں کی یہ تحریک سالونیکا کے فری میسن کے ماحول میں پیدا ہوئی۔ اٹلی کے گرانڈ اورنٹیل ماسٹر" کی رہنمائی میں پروان چڑھی"

مصطفےٰ کمال، جودت اور دوسرے نوجوان افسر سب کے سب فری میسن لاج کے رکن تھے۔ اور بعض تو اُن میں سے یہودی دونما فرقے کے افراد تھے۔ یہ بات سُن کر آپ کو حیرت ہوگی کہ جب سلطان کو معزول کیا گیا تو معزولی کی اطلاع سلطان تک پہنچانے والا فری میسن لاج کا گرانڈ ماسٹر قرہ صو یہودی تھا۔ اسی طرح جنگِ عظیم اوّل کے خاتمہ ۱۹۱۸ء سے قبل ہی انگریزوں نے اعلان بالفور ۱۹۱۷ء کے ذریعہ فلسطین میں یہودیوں کا وطن قائم کر دیا۔ ورکس نارڈن نے سیل میں ۱۹۰۳ء میں ایک تقریر کی تھی جس میں مستقبل کے متعلق پیش گوئی کی تھی:

"سُنو! میں تمہیں بتاتا ہوں۔ آنے والے مرحلے کیا ہوں گے۔ ہرٹزل۔ صہیونی کانگریس۔ یوگنڈا کی برطانوی پیش کش۔ مستقبل کی جنگ عظیم۔ امن کانفرنس۔ برطانیہ کی مدد سے فلسطین میں یہودی ریاست کا قیام"۔ پندرہ سال نہ گزرنے پائے تھے کہ یہ پیش گوئی حرف بحرف پوری ہو گئی۔

اب ذرا پیچھے مڑ کر دیکھیے کہ انجمن ترقی و اتحاد کے وہ ترک نوجوان جو مجاہد اور غازی کہلاتے وہ فی الحقیقت یہودیوں کے ہاتھ میں آلۂ کار تھے۔

ان تمام واقعات کو سامنے رکھیے اور غور کیجیے کہ یہودیوں کے ہاتھ کتنے لمبے ہیں۔ ان کے اثرات کتنے وسیع ہیں۔ پیرس کا اخبار "جنرل لا پیرس" لکھتا ہے کہ:

"گذشتہ صدی کا مفہوم بس اس قدر ہے کہ تقریباً ۳۰۰ یہودی ماہرین مالیات ہیں جو سب کے سب فری میسن لاج کے گرانڈ ماسٹر ہیں، وہ درحقیقت دُنیا پہ حکومت کرتے ہیں"۔

ایلفرڈ لینتھں لکھتا ہے:

"یہودیوں کی گرفت امریکی پریس پر اس قدر قوی ہے کہ بادی النظر میں اس پر یقین نہیں آتا"۔

لنڈن ٹائمز نے ۸ رمئی ۱۹۲۰ء کی اشاعت میں لکھا تھا:

"کہیں ایسا تو نہیں کہ ہم جرمن قیادت (POX GERMANICA) سے بھاگ کر یہودی قیادت (POX INDAICICA) میں گرفتار ہو رہے ہیں"

یہودیوں کی طاقت اور اثرات کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ انہوں نے عیسائیوں سے ان کا دو ہزار سال پرانا عقیدہ تبدیل کروا دیا۔ ۱۹۶۵ء میں کیتھولک چرچ کے سربراہ پاپائے اعظم نے فیصلہ صادر کیا کہ حضرت مسیح علیہ السلام کا قاتل یہودیوں کو قرار دینا غلط ہے اور افسوس ظاہر کیا کہ ناحق یہودیوں کو نفرت اور حقارت کا ہدف بنایا جاتا ہے۔ ایک یہودی وکیل ہنری کیلن لکھتا ہے :

"اقوامِ متحدہ کا ادارہ بھی صہیونیتؑ کا ایک کرشمہ ہے۔ یہ وہ بالاترین حکومت ہے جس کا ذکر بزرگانِ صہیون کے مسودہ میں بارہا آتا ہے۔

اِس کے بعد یہود کا یہ دعویٰ سننے کے قابل ہے :

"کوئی دو قومیں باہمی معاہدہ نہیں کرسکتیں، تاوقتیکہ ہمارا مخفی ترین ہاتھ وہاں کام نہ کر رہا ہو"۔

اِن وسیع تر حقائق کو سامنے رکھ کر سوچیے کہ اسرائیل اور عربوں کا مقابلہ ۲۶ لاکھ اور ۱۲ کروڑ افراد کا مقابلہ نہیں ہے۔ بلکہ فی الواقع اسرائیل کی پشت پر تمام عالمی قوتیں ہوتی ہیں۔ اس کو اتنے وسیع اور عمیق ذرائع و وسائل حاصل ہیں کہ عربوں کی وہاں تک رسائی ہی نہیں ہے۔

اب ان یہودیوں کا فوری ہدف یہ ہے کہ مصر، شام، عراق اور حجاز پر قبضہ کیا جائے — بیت المقدس میں مسجد اقصیٰ کو منہدم کر کے ہیکل سلیمانی تعمیر کیا جائے۔

انہیں اچھی طرح معلوم ہے کہ عالمِ اسلام میں قابلِ لحاظ طاقت پاکستان کی ہے اور پاکستان نے ہمیشہ عربوں کا ساتھ دیا ہے۔ یہودی ریاست کو آج تک تسلیم نہیں کیا ہے۔ اس لیے یہودی سازش کنندگان کی نگاہیں اب پاکستان پر بھی ہوئی ہیں۔ گذشتہ چند سالوں سے انتشار اور افتراق کی قوتیں پاکستان میں قوی سے قوی تر ہوتی چلی جا رہی ہیں۔ آج کون کہہ سکتا ہے کہ ان مجاہدانِ وطن میں کتنے بیرونی طاقتوں کے آلۂ کار ہیں۔ چالیس، پچاس سالوں کے بعد جب اس ڈرامہ کے اداکاروں کی ڈائریاں طبع ہو کر عوام کے سامنے آئیں گی تو پتہ چلے گا کہ کتنے مجاہد فی سبیل اللہ درحقیقت مجاہد فی سبیل الطاغوت تھے۔ (باقی بر صفحہ ۳۰)

مومن کے خصائل

جناب سید اسعد گیلانی صاحب

(۲)

علمِ حق و صداقت کا حصول مسلمان کے لیے علمِ حق و صداقت دینِ اسلام ہے اور اس کے حصول کے دو ہی سرچشمے ہیں، قرآن و سنت۔ انسانوں کے مالک کی مرضی قرآن سے معلوم ہوتی ہے اور اس مرضی کو پورا کرنے کا طریقہ اس قرآن کو لانے والے رسول اکرمؐ کے اسوۂ حسنہ سے سمجھ میں آتا ہے۔ ہمارا مالک ہم سے کیا چاہتا ہے اور کس طرح چاہتا ہے یہ بات ہمیں رسول اکرمؐ کی تعلیمات کو جانے بغیر معلوم نہیں ہو سکتی۔ اس لیے ایک داعئ حق کے لیے قرآن سے تعلق جوڑے بغیر کوئی چارہ نہیں ہے۔ یہ ایک ہی واحد کتابِ صداقت و ہدایت ہے۔ اب ساری ہدایت اس کے اندر ہے۔ اس سے باہر ہدایت و صداقت نہیں ہے جو شخص ہدایت کا متلاشی اور صداقت کی پیروی کرنا چاہتا ہے وہ اس کتاب سے استفادہ کیے بغیر کچھ نہیں کر سکتا۔ زمین پر خدائے بزرگ و برتر کی یہ ایک ہی آواز ہے جس کی پکار پر قدم بڑھائے بغیر انسان فلاح نہیں پا سکتا — اس لیے قرآن کا پڑھنا، اس کے مضامین کو سمجھنا اور اس کی ہدایات کو زیادہ سے زیادہ اپنے اندر جذب کرنا، اسے حفظ کرنا، اسے اپنے سینے میں محفوظ کرنا اور اس کے سانچے میں ڈھل جانے کی کوشش کرنا ضروری ہے۔ حقیقی ہدایت اس قرآن کو لانے والے پاک اور معصوم انسان کے نقشِ قدم پر چلنے کی سعی کرنا ہے اس لیے کہ وہی خدا کے مطلوبہ معیار کے کامل نمونہ کے انسان ہیں۔ اور جس کسی نے خدا کی مرضی کو انسانی کردار میں منعکس دیکھنا ہو وہ رسول اکرمؐ کے کردار و اخلاق میں ہی دیکھ سکتا ہے اور جس کسی کو حق لوگوں

ہوئے اپنے کانوں سے سُننا ہو۔ وہ حضورؐ اکرم کے ارشادات کو سن سکتا ہے۔ غرض حق وصداقت کا سرچشمہ قرآن وسنّت ہی ہیں۔

مطالعۂ سیرت صحابہ وصالحین

ایک اچھے مسلمان کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ قرآن وسنّت کے سانچے میں ڈھلے اور قرآن وسنّت کے کامل نمونے کو مسلمان جس بہترین سانچے میں ڈھلا ہوا دیکھ سکتا ہے وہ صحابہ کرام اور سلف صالحین ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کے کردار ہمارے لیے نمونہ ہیں جنہوں نے اپنی زندگیاں دعوتِ دین، فلاحِ انسانیت اور اشاعتِ حق کے لیے صرف کیں، جو صداقت کے پیکر، ہدایت یافتہ اور نیکی کے علمبردار تھے۔ جن کے کردار سے معروف نمایاں ہوتا اور منکر دبتا تھا۔ جن کے خصائل کے آئینے میں ہمیں معروف ومنکر کے اہتمام واجتناب کی بہترین مثال ملتی ہے جو صداقت کے لیے جہاد کرنے والے، حق کے لیے گھر بار چھوڑنے والے، حق کے لیے زندگیاں لگانے اور کھپانے والے اور حق کے لیے اپنی زندگیوں کی ساری مادی متاع لٹاتے والے تھے، جن کے عمل سے ہمیں بھلائی کے راستے پر چلنے کے لیے رہنمائی ملتی ہے، جن کے کام سے ہمیں نمونہ اور اپنے کام میں مدد ملتی ہے۔ جنہوں نے حق ہم تک پہنچایا تو حق ہم تک پہنچا۔ اور جنہوں نے معروف ومنکر کو اپنے کردار سے نمایاں کیا تو وہ ہم پر واضح ہوا۔ ان کی خدا ترسی، خشیت الٰہی، معاملات کی خوبی، عبادات کا انہماک، کردار کی بلندی، اللہ اور رسول سے وفاداری اور دین کے لیے قربانی وایثار سے ہمارے سامنے درخشاں مثالیں قائم ہوتی ہیں اور جن کے نقشِ قدم پر چل کر ہم راہ ہدایت پاتے ہیں۔ ایک مسلمان کے لیے ان کی زندگیوں کا مطالعہ کرنا اور ان کی زندگیوں کو اپنے لیے مشعلِ راہ بنانا بے حد ضروری ہے۔

تعلق باللہ

ایک مسلمان کے لیے سب سے مضبوط لنگر اس کے مالک کے ساتھ اس کا گہرا، جاندار، پائیدار اور مضبوط تعلق ہے۔ اس کا یہ احساس کہ وہ جس کا کام کر رہا ہے وہ اس کو دیکھ رہا ہے۔ قضا وقدر کے کارکن اس کے غیبی کارندے اس کی مدد کر رہے ہیں، اس کی پشت پناہی اسے حاصل ہے۔ وہ زندہ وپائندہ حیّ وقیوم، قادرِ مطلق اور مختارِ کل ہستی کا کارندہ اور اس سے وابستہ ہے۔ وہ ہستی قدم قدم پر اس کی دستگیری کرتی ہے۔ وہ فرد فرد کے دل میں اس کی محبت پیدا کرتی ہے۔ وہ کھلے اور چھپے اندھیرے اور اجالے میں اس کی محافظ اور پشت پناہ

ہے جس کی قدرتِ کاملہ سے باہر کوئی پر بھی نہیں ہلا سکتا۔ وہ اس کی زیرِ لب دعاؤں کو بھی سنتا ہے اور اس کے دل کے اضطراب کو بھی جانتا ہے۔ وہ ہستی اس کے سامنے ہے جس پر ایمان لانا ہر ایمان سے مقدم ہے، جس سے خوف کھانا ہر خوف سے مقدم ہے۔ جس کی رضا چاہنا دوسرے ہر کسی کی رضا سے مقدم ہے۔ جس کی عبادت میں انہماک دوسرے ہر انہماک سے مقدم ہے جس سے گہرا تعلق ہر دوسرے تعلق سے مقدم ہے۔ وہی ہر بات کا مرکز، ہر دوڑ دھوپ کا محور، اور ہر ایثار و قربانی کا مقصود ہے۔ اس کی رضا کا حصول ہمارا سرمایۂ زندگی ہے اور اس کی رضا کے حصول کے لیے سب کچھ حاضر اور قربان ہے۔

ان صلاتی ونسکی ومحیای ومماتی للہ رب العٰلمین

"ہماری نماز اور قربانی، زندگی اور موت اللہ رب العالمین ہی کے لیے ہے۔"

ایک مسلمان میں یہ توانائی ہو کہ وہ اللہ کے لیے ہر محبت قربان کر سکے۔ اور اس کی خاطر ہر کسی کا غصہ برداشت کر سکے۔ اس کے لیے ہر نقصان گوارا کر سکے۔ اور اس کی حمیت میں اپنا سب کچھ قربان کر سکے۔ جو اس کے دشمن ہیں وہ ان کا دشمن ہو جائے اور جو اس کے دوست ہیں وہ ان کا خادم بن جائے۔ اس طرح مالک کی صفات کے ایک ایک پہلو کو سامنے رکھ کر اس سے محبت بھی کرے اور اس سے خوف بھی کھائے۔ اس کے احکام کی خلاف ورزی کے مقابلے میں آگ میں گر جانا اسے قبول ہو اور اس کا ذکر اسے ہر دوسرے ذکر سے زیادہ محبوب ہو۔ اس کی بندگی کے لیے وہ نماز پڑھے، اس کو خوش رکھنے کے لیے وہ روزہ رکھے۔ اور اس کی رضا کے لیے وہ اس کی راہ میں خرچ کرے۔ بس اپنے مالک کے ساتھ جب اس کا تعلق درست اور راست ہو جائے تو پھر ایک مسلمان کے روحانی کردار کی بنیاد مضبوط ہو جاتی ہے اور اللہ پر ایمان لانے کے لیے ضروری تقاضے پورے ہو جاتے ہیں۔ ایک مومن کو اپنے مالک کے ساتھ ایسا ہی تعلق پیدا کرنا چاہیے۔

محبتِ رسولؐ اللہ کے بعد دوسری ہستی جس سے ایک مسلمان کے لیے بے پناہ محبت جزوِ ایمان ہے۔ وہ رسولِ اکرم کی ذاتِ اقدس ہے۔ جنہوں نے انسانیت کو دوزخ کے گڑھے سے نکال کر جنت کے راستے پر ڈالا۔ جنہوں نے انسانوں کو تباہی سے ہٹا کر سلامتی کی طرف رہنمائی کی۔ جنہوں نے مصائب اٹھا کر ہمارے لیے ایمان و اسلام اور رضائے الٰہی کے حصول کے مواقع پیدا کیے۔

جنھوں نے ہجرت اختیار کر کے ہمارے لیے کفر سے ایمان کی طرف آنے کا راستہ ہموار کیا۔ جنھوں نے کفر سے ٹکرا کر حق و باطل کا امتیاز نمایاں کیا۔ جو انسانیت کے قائد و سالار اور رحمۃ للعالمین ہیں جو قیامت تک کے لیے تمام انسانیت کے مستقل رہنما اور قائد ہیں۔

حضورؐ اکرم نے انسانیت کو تہذیب کا درس دیا۔ انسان کو وحشت و درندگی سے شرافت و مدنیت کا درس دیا۔ جہالت کے اندھیرے سے علم کی روشنی کی طرف رہنمائی کی جنھوں نے ہمیں بہترین قانونِ عدل عطا فرمایا۔ انسانی مساوات و مواخات دی۔ آقا و غلام کا فرق مٹایا۔ عورت کو بلند درجہ دے کر اُسے مرد کا ساتھی اور رفیق بنایا۔ اور ماں کے پاؤں کے نیچے جنت کا نشان بتایا۔ جنھوں نے چھوٹوں کو بڑوں کا ادب کرنا سکھایا۔ اور بڑوں کو چھوٹوں پہ مہربانی اور شفقت کی تعلیم دی۔ جن سے بڑھ کر رحیم و کریم انسان نہ ان سے پہلے دُنیا میں آیا اور نہ ان کے بعد آئےگا۔ جو سراپا رحمت، سراپا شفقت اور پسماندہ انسانیت کے محافظ و سرپرست تھے۔ ہمارا ان سے محبت کرنا صرف اعترافِ احسان ہی نہیں، بلکہ جزوِ ایمان بھی ہے اور جس دل میں ان کی محبت نہیں ہے، اس میں ایمان کی رمق بھی موجود نہیں ہے۔ ایک داعیِ حق کے لیے ان کی محبت مشعلِ راہ اور ان کی پیروی عزیمت و استقامت کا معیار ہے۔

فکرِ آخرت خدا اور رسول کی محبت کے ساتھ ہی فکرِ آخرت بھی مومن کا جزوِ ایمان ہے۔ آخرت کو ترجیح دینا اور دُنیا کے مقابلے میں آخرت کو سنوارنے کی کوشش کرنا ایک مسلمان کا فرضِ اولین ہے۔ وہ دُنیا میں مگن لوگوں کو آخرت کی یاد دلاتا ہے۔ قرآن بتاتا ہے کہ حقیقی اور کامل زندگی آخرت میں ہی ہے۔ دُنیا اس کے مقابلے میں یوں ہے جیسے سمندر کے مقابلے میں شبنم ہوتی ہے۔ دُنیا تو اچھے اور بُرے دونوں قسم کے لوگوں کی آبادی ہے۔ لیکن آخرت میں جا کر دونوں قسم کی آبادیاں الگ الگ ہو جانے والی ہیں۔ بُروں کے لیے دوزخ کی آبادی ہوگی اور یہ بہت ہی ہولناک آبادی ہے۔ اور اچھوں کے لیے جنت ہوگی اور وہ بڑی ہی خوشگوار اور دل خوش کن آبادی ہے۔ آخرت میں جا کر دُنیا کی ساری آبادی ان دو آبادیوں میں تقسیم ہو جائے گی اور تقسیم آبادی کا اصول دُنیا کی زندگی کا عمل ہوگا۔

انسان نے اس دُنیا میں کس طرح زندگی گزاری۔ خدا کا وفا شعار بندہ بن کر گزاری یا باغی اور

سرکش انسان بن کر گزاری۔ اس کی زندگی اطاعت کی زندگی تھی یا بغاوت کی زندگی۔ اس بات کا امتحان کہ ایک شخص اپنے حقیقی مالک کو پہچانتا ہے اور اس کی اطاعت کرتا ہے یا نہیں کرتا۔ یہ کام دنیا میں ہی ممکن ہے۔ یہاں مالک حقیقی کی ذات آیات و علامات کے پیرائے میں پنہاں ہے۔ اور اس کی طرف چلنے میں مصائب بھی آتے ہیں اور اس کی طرف جانے میں شیطان کے خوشنما جال بھی رکاوٹ بنتے ہیں۔ آخرت کا احساس تو صرف ضمیر کرتا ہے اور دنیا کی شیرینیوں کا احساس انسان کا ظاہری رونگٹا رونگٹا کرتا ہے۔ یوں انسان کو امتحان میں ڈالا گیا ہے۔ اور ایک داعیِ حق کا کام یہ ہے کہ وہ حقیقت کو پہچانے اور راہ راست پر خود بھی چلے اور دوسروں کو بھی اسی راستے پہ چلنے کی دعوت دے۔

آخرت کے احساس کی پرورش کے مختلف اور متعدد ذرائع ہیں جن میں سب سے اہم ذریعہ قرآن و سنت کی آیاتِ انذار اور مناظرِ قیامت کا مطالعہ ہے۔ پھر بزرگوں کے احساسِ آخرت کو بیدار کرنے والے واقعات و احوال ہیں۔ پھر گاہے گاہے گورِ غریباں میں جاکر آخرت کے مسافروں کے آخری نشانات قبروں کے درمیان کچھ وقت گزارنا ہے۔ پھر کبھی کبھی ہسپتال جاکر بیماروں سے ملاقاتیں اور ان کے حالات سے آگاہی ہے۔ اِس طرح ایک داعیِ حق آخرت کی فکر رکھنے والوں کے درمیان رہ کر فکرِ آخرت کا احساس مزید بڑھا سکتا ہے۔

اسلامی کردار کا ایک قرآنی خاکہ

ایک مثالی مسلمان کے کردار کا قرآن نے بھی ایک خاکہ پیش کیا ہے۔ ہر مومن بنیادی طور پر مجاہد ہوتا ہے۔ تبلیغِ دین کا عمل ایک مسلسل اور پیہم جہادِ اکبر ہے۔ حضورؐ نے غزوہ تبوک سے واپسی پہ مدینہ کی طرف سفر کرتے ہوئے صحابہ کرامؓ سے فرمایا کہ ہم جہادِ اصغر سے جہادِ اکبر کی طرف جارہے ہیں۔ اس لیے کہ نفس کو اللہ کا مطیع و فرمانبردار بناکر رکھنا اور اسے اللہ کی مرضیات کے تابع کرنا بہت بڑا جہاد ہے اور یہ جہاد ہی مومن کی ساری زندگی کا شعار ہے۔

چنانچہ قرآن نے ایک اچھے مسلمان کا جو خاکہ پیش کیا ہے۔ وہ سورہ الفرقان کے دوسرے رکوع میں اس طرح درج ہے۔

رحمٰن کے اصل بندے وہ ہیں جو :-

—— زمین پر نرم چال چلتے ہیں۔

—— جاہل ان کے منہ آئیں تو سلام کہہ کر گزر جاتے ہیں۔

—— اپنے رب کے حضور سجدے اور قیام میں راتیں گزارتے ہیں۔

—— خرچ میں نہ فضول خرچی کرتے ہیں اور نہ بخل کرتے ہیں۔ بس دونوں کے درمیان اعتدال رکھتے ہیں۔

—— خدا کے سوا کسی اور کو معبود بنا کر نہیں پکارتے۔

—— کسی جان کو ناحق قتل نہیں کرتے۔

—— زنا نہیں کرتے۔

—— جھوٹ کے گواہ نہیں بنتے۔

—— لغو چیز پر گزر ہو تو شریفانہ گزر جاتے ہیں۔

(سورۃ الفرقان)

مزید اوصاف سورۃ المومنون میں بتائے گئے۔

—— اپنی نماز میں خشوع و خضوع پیدا کرتے ہیں۔

—— زکوٰۃ پر عامل ہوتے ہیں۔

—— اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں۔

—— اپنی امانتوں اور عہد و پیمان کا پاس کرتے ہیں۔

پھر سورۃ لقمان میں مومن کو مزید تہذیب سکھائی گئی۔

—— لوگوں سے منہ پھیر کر بات نہ کر۔

—— زمین میں اکڑ کر نہ چل۔

—— اپنی چال معتدل رکھ۔

پھر سورۃ توبہ میں اچھے مسلمان کے مزید خدوخال نمایاں کیے گئے۔

—— توبہ کرنے والے۔

—— عبادت کرنے والے۔

—— خدا کی حمد کرنے والے۔

—— خدا کی راہ میں سفر کرنے والے۔

—— رکوع و سجود کرنے والے۔

—— نیکی کا حکم دینے والے۔

—— بدی سے روکنے والے۔

—— حدود الٰہی کی حفاظت کرنے والے۔

غرض اسی طرح قرآن و حدیث کے صفحات میں جا بجا ایک مثالی مومن کے کردار کی حسین و جمیل جھلکیاں بکھری ہوئی ہیں جنہیں آسانی سے چُن چُن کر مسلمان کے خوشنا کردار کا ایک عمدہ گلدستہ تیار کیا جا سکتا ہے۔ (باقی)

(بقیہ عالم اسلام اور یہودی سازش)

یہودی کتنے ہی چالاک اور سازش گر ہوں، مگر سب کچھ وہی نہیں ہیں۔ اس کائنات کو مدبر و حکیم خداوند تعالیٰ چلا رہا ہے۔ وہ افراد کو اور اقوام کو ایک حد تک آزادی دیتا ہے، ورنہ پھر ان کی گرفت کر ڈالتا ہے۔ اور اس کی گرفت بڑی سخت ہوتی ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

"جب کبھی یہ (یہودی) جنگ کی آگ بھڑکاتے ہیں، اللہ اس کو ٹھنڈا کر دیتا ہے۔ یہ زمین میں فساد پھیلانے کی سعی کرتے ہیں، مگر اللہ فساد برپا کرنے والوں کو ہرگز پسند نہیں کرتا۔" (مائدہ - ۶۴)

اسلام میں اختلاف کے آداب

(۲)

اختلاف کی تاریخ

ترجمہ وتلخیص: جناب عبد الحی ابڑو۔ استاد شعبہ شریعہ وقانون
اسلامی یونیورسٹی۔ اسلام آباد۔

عہدِ نبویؐ میں صحابہ کرامؓ کا اختلاف مذکورہ بالا مفہوم کے لحاظ سے عہدِ نبویؐ میں اختلاف کے پائے جانے کی کوئی وجہ موجود نہیں تھی۔ اس لیے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات سب کے لیے مرجع تھی۔ وہ تمام معاملات آپ کے سامنے رکھتے اور ان کے بارے میں رہنمائی حاصل کرتے اور حضور راہِ حق وہدایت کی نشان دہی فرما دیتے تھے۔ لیکن جو لوگ مدینہ منورہ سے دور ہوتے، چونکہ ان کے لیے حضورؐ کی طرف رجوع کرنا مشکل تھا اس لیے ان کے درمیان اختلاف واقع ہونا ایک قدرتی امر تھا۔ خاص طور پر کتاب اللہ یا سنّتِ رسول کی تفسیر اور پیش آمدہ واقعات پر انہیں منطبق کرنے کی صورت میں یا کبھی کسی مسئلے کے بارے میں کوئی صریح نص نہ پانے کی صورت میں وہ اجتہاد کرتے۔ ان کا اجتہاد ایک دوسرے سے تھوڑا بہت مختلف ہوتا۔ ایسے لوگ جب مدینہ واپس آتے تو نصوص سے اپنی فہم کے مطابق حاصل کردہ مفہوم یا اجتہادی مسائل حضورؐ کے علم میں لاتے۔ تب آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم یا تو انہیں درست قرار دیتے جو سنّت کا حصہ بن جاتا، یا درست مسئلہ بیان فرما دیتے جس پر وہ مطمئن ہو جاتے اور اسے اخذ کر لیتے۔ اس طرح اختلاف ختم ہو جاتا۔ اس کی چند مثالیں درج ذیل ہیں:

۱۔ بخاری اور مسلم کی روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جنگِ احزاب کے دن

فرمایا: "تم میں سے کوئی شخص بھی بنو قریظہ کی آبادی تک پہنچنے سے پہلے نمازِ عصر نہ پڑھے"۔ کچھ لوگوں کو عصر کا وقت راستے میں پیش آگیا۔ ان میں سے بعض نے کہا "ہم بنو قریظہ کے گھروں تک پہنچنے سے پہلے نماز نہیں پڑھیں گے"۔ جب کہ بعض دوسرے حضرات نے کہا "ہم تو نماز پڑھیں گے حضورؐ کا منشا یہ نہیں تھا"۔ یہ بات "واپسی میں" حضورؐ کے علم میں لائی گئی، تو آپ نے کسی کو سرزنش نہیں فرمائی۔

اس حدیث سے واضح ہوتا ہے کہ نمازِ عصر کی ادائیگی کے سلسلے میں صحابہ آپس میں دو گروہوں میں بٹ گئے تھے۔ ایک گروہ نے (منطق کی اصطلاح کے مطابق) ظاہر اللفظ یا (حنفی اصولیہ کی اصطلاح کے مطابق) "عبارۃ النص" پر عمل کیا، جبکہ دوسرے گروہ نے نص سے ایک معنی اخذ کر کے اس کے ساتھ اس کی تخصیص کر دی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے دونوں کے طرزِ عمل کو درست قرار دینا اس بات کی دلیل ہے کہ دونوں گروہ حق پر تھے۔

اس سے ثابت ہوا کہ مسلمان کو کسی نص کے ظاہری معنی لینے کا بھی حق حاصل ہے اور اسی طرح اس سے ایسے دوسرے معانی اخذ کرنے کا بھی جن کا احتمال اس کے اندر موجود ہو، اور اس کے لیے دلیل بھی پیش کی جاسکتی ہو۔ جب وہ ایسی کوشش کا اہل ہو تو اس کا یہ عمل قابلِ گرفت نہیں ہوگا[۱]۔ صحابہؓ کے دوسرے گروہ نے اس ارشاد سے یہ سمجھا کہ حضورؐ چاہتے تھے کہ جانے میں بہت تیزی سے کام لیا جائے۔ اس لیے انھوں نے یہ سوچا کہ بنو قریظہ کے ہاں پہنچنے سے پہلے نماز کی ادائیگی حضورؐ کے ارشاد کے مطابق منافی نہیں، جب کہ نماز ادا کرنے کی صورت میں ان کے وہاں پہنچنے میں تاخیر بھی نہ ہوگی۔ یہاں دلچسپ بات یہ ہے کہ علامہ ابنِ قیمؒ نے اعلام الموقعین میں ان دونوں گروہوں میں سے کسی ایک کے مسلک کی درستگی کے بارے فقہا کے اختلاف کا ذکر

۱۔ بشرطیکہ کوئی اجتہادی رائے دوسرے کسی اُصولِ منصوص و مسنون اور مجموعی ہیئتِ دین اور مقاصدِ دین یا اسلام کے نظامِ عقائد، نظامِ اخلاق، نظامِ قانون اور نظامِ سیاست و معیشت کے خلاف نہ ہو اور مصلحتِ امن اور مفادِ مسلمین سے بھی نہ ٹکرائے۔ (ایڈیٹر)

کرتے ہوئے کہا ہے: "کچھ فقہاء کے قول کے مطابق راستے میں نماز ادا کرنے والوں کا عمل افضل ہے اس لیے کہ انہوں نے نماز اپنے وقت میں ادا کرنے اور حضورؐ کے حکم کی پیروی کرنے کی دونوں فضیلتیں حاصل کر لیں، جب کہ کچھ دیگر فقہاء کے نزدیک بنو قریظہ کے ہاں پہنچنے تک نماز کو مؤخر کرنے والوں کا عمل افضل ہے....." یعنی فرق غلط اور صحیح کا نہیں بلکہ افضل اور غیر افضل کا ہے۔

ہمارے خیال کے مطابق جب کہ حضورؐ نے کسی فریق کو سرزنش نہیں کی، تو فقہاء رحمہم اللہ کو چاہیے تھا کہ وہ اسی پر اکتفا کرتے، اور ایسی چیز کے بارے میں بحث مباحثے سے پرہیز کرتے، جس کا فیصلہ خود حضورؐ نے فرما دیا تھا۔

۲۔ اس کی دوسری مثال وہ حدیث ہے جسے ابو داؤد اور حاکم نے حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں: "غزوہ ذات السلاسل کے دوران جاڑے کی ایک رات میں مجھے احتلام ہو گیا، مجھے خدشہ ہوا کہ اگر میں نے غسل کیا تو کہیں میری موت واقع نہ ہو جائے، اس لیے میں نے تیمم کیا اور اپنے ساتھیوں کی نماز فجر میں امامت کی، انہوں نے حضورؐ سے اس واقعے کا ذکر کر دیا۔ حضورؐ نے پوچھا "اے عمرو! تو نے احتلام کی حالت میں امامت کی؟ میں نے اپنے غسل نہ کر سکنے کی وجہ بھی حضورؐ کے سامنے بیان کر دی اور یہ آیت پڑھی: وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا (النساء - ۲۹) "اور اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو، بلاشبہ اللہ تمہارے اوپر مہربان ہے"۔ اس پر حضورؐ مسکرا دیئے اور کچھ نہیں کہا۔ گویا متذکرہ عذر کے ساتھ تیمم کرنے اور تیمم کے ساتھ جماعت کرا دینے کے فعل کو سند مل گئی۔

تاویل اور اس کی قسمیں عہد نبویؐ اور اس کے بعد صحابہؓ میں واقع ہونے والے سارے اختلافات کا بیان یہاں مقصود نہیں۔ بسا اوقات کچھ صحابہؓ نے الفاظ عبارت کے بالکل ظاہری معنی مراد لیے اور کچھ نے اس سلسلہ کلام یا محاورہ و روزمرہ یا شریعت کی مجموعی فضا کے لحاظ سے معانی استنباط کیے۔ یہ ایک لمبی بحث ہے جس کے لیے کئی جلدیں درکار ہوں گی۔ یہ مختصر سا مقالہ اس کا متحمل نہیں ہو سکتا۔ بہر حال صحابہؓ نے ان واقعات سے یہ بات ذہن نشین کر لی تھی کہ دین میں آسانی رکھی گئی ہے اور شریعت میں کسی نص سے حکم کے استنباط کرنے کے لیے اختلاف رائے کی گنجائش موجود ہے۔

اب یہ ماہر مجتہدین اور فقہاء کا کام ہے کہ شریعت کے کلیات و قواعد اور اس کے مقاصد تک پہنچانے والے احکام بیان کریں۔ یہ مقصد کبھی ظاہر لفظ کو جوں کا توں لینے سے حاصل ہوتا ہے اور کبھی اس ظاہر لفظ کے پیچھے پوشیدہ معنی کے استنباط سے، جیسے "تاویل" کا نام دیا جاتا ہے۔ اس موضوع پر روشنی ڈالنا فائدے سے خالی نہ ہوگا، لہٰذا ذیل میں تاویل کی اقسام اور اس کے قواعد و ضوابط کو اختصار کے ساتھ بیان کیا جاتا ہے۔

۱۔ قریبی تاویل | جسے معمولی غور و فکر سے معلوم کیا جاسکتا ہو اور وہ عبارت اس کا احتمال بھی رکھتی ہو، جیسے یتیم کا مال بطور صدقہ دینے، یا کسی اور کو بلا عوض دینے، یا اُسے ضائع کرنے کو آگ کھانے کے مترادف قرار دے کر اسے اس قرآنی آیت کی رُو سے حرام ٹھیرایا جائے:

اِنَّ الَّذِیْنَ یَاْکُلُوْنَ اَمْوَالَ الْیَتٰمٰی ظُلْمًا اِنَّمَا یَاْکُلُوْنَ فِیْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا...... (النساء-۱۰) "جو لوگ ظلم کے ساتھ یتیموں کا مال کھاتے ہیں۔ درحقیقت وہ اپنے پیٹ آگ سے بھرتے ہیں اور وہ ضرور جہنم کی بھڑکتی ہوئی آگ میں جھونکے جائیں گے"۔

دوسری مثال۔ کسی برتن میں پیشاب کرکے اُسے ٹھیرے ہوئے پانی میں ڈال دینے کو ایسے پانی میں براہ راست پیشاب کرنے کے مترادف قرار دے کر اس حدیث کا مصداق ٹھیرانا جس میں ایسا کرنے سے ممانعت وارد ہوئی ہے، حضورؐ کا ارشاد ہے: "تم میں سے کوئی شخص ٹھیرے ہوئے پانی میں پیشاب نہ کرے جس سے اُس نے بعد میں نہانا ہے"۔ اس لیے کہ دونوں فعل پانی کی گندگی کا سبب بنتے ہیں۔

۲۔ دُور کی تاویل | جسے معلوم کرنے اور اس تک رسائی حاصل کرنے کے لیے زیادہ غور و فکر درکار ہو اور لفظ اس کا احتمال بھی رکھتا ہو۔ جیسے حضرت ابن عباسؓ نے حمل کی کم از کم مدت مندرجہ ذیل قرآنی آیات سے چھ مہینے اخذ کی:

وَحَمْلُهٗ وَفِصٰلُهٗ ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا (الاحقاف: ۱۵) "اور اس کے حمل اور دودھ چھڑانے میں تیس مہینے لگ گئے"۔ اور دوسری آیت میں ہے:

وَالْوَالِدٰتُ یُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَیْنِ کَامِلَیْنِ لِمَنْ اَرَادَ اَنْ یُّتِمَّ الرَّضَاعَةَ - (البقرہ: ۲۳۳) "جو باپ چاہتے ہوں کہ ان کی اولاد پوری مدتِ رضاعت تک

دُودھ پیئے تو مائیں اپنے بچوں کو کامل دو سال دُودھ پلائیں"۔ (دو سال مدت رضاعت اور کم از کم چھ مہینے مدتِ حمل)۔

یا جیسا کہ امام شافعیؒ نے اجماع کی حجیت پر اس قرآنی آیت سے استدلال فرمایا:
وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ ۭ وَسَاۗءَتْ مَصِيْرًا - (النساء - ۱۱۵) "جو شخص رسولؐ کی مخالفت پر کمربستہ ہو اور اہلِ ایمان کی روش کے سوا کسی اور روش پر چلے، درآں حالیکہ اس پر راہِ راست واضح ہو چکی ہو، تو ہم اس کو اسی طرف چلائیں گے، جدھر وہ خود پھر گیا۔ اور اُسے جہنّم میں جھونک دیں گے۔ جو بدترین جائے قرار ہے"۔

اِسی طرح اُصولیوں نے قرآنی آیت فَاعْتَبِرُوْا يٰٓاُولِي الْاَبْصَارِ - (الحشر - ۲) "پس عبرت حاصل کرو اے دیدۂ بینا رکھنے والو" سے قیاس کی حجیت اور اس کے شرعی دلیل ہونے پر استدلال کیا ہے۔ اس طرح کے نتائج اخذ کرنا اگرچہ بظاہر آسان نظر آرہا ہے۔ مگر ان تک رسائی اس وقت تک مشکل ہے جب تک انسان کی سوچ وسیع اور نظر گہری نہ ہو، پھر اس کے لیے غور و فکر اور تدبّر کے ملکہ کی بھی ضرورت ہے جو عام لوگوں کو حاصل نہیں ہوتا۔

۳۔ دُور از کار تاویل | جس کا احتمال لفظ کے اندر موجود نہ ہو، اور تاویل کنندہ کے پاس کسی قسم کی کوئی دلیل بھی نہ ہو، جیسے کسی نے اس آیت: وَعَلٰمٰتٍ ۭ وَبِالنَّجْمِ هُمْ يَهْتَدُوْنَ (النحل - ۱۶) "اس نے زمین میں راستہ بتلانے والی علامتیں رکھ دیں، اور تاروں سے بھی لوگ ہدایت پاتے ہیں"۔ کی تفسیر یہ بیان کی ہے کہ "نجم" رسول اللہ ہے اور "علامات" امام ہیں۔ یا جیسے کسی نے اس آیت: وَمَا تُغْنِي الْاٰيٰتُ وَالنُّذُرُ عَنْ قَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُوْنَ - (یونس - ۱۰۱) "اور جو لوگ ایمان لانا ہی نہیں چاہتے ان کے لیے نشانیاں اور تنبیہیں آخر کیا مفید ہو سکتی ہیں؟" سے یہ مفہوم نکالا ہے کہ "آیات" سے مراد امام ہیں اور "نذر" سے انبیاء۔ اِسی طرح کچھ حضرات نے عَمَّ يَتَسَاۗءَلُوْنَ ۚ عَنِ النَّبَاِ الْعَظِيْمِ (النبا - ۱-۲) "یہ لوگ کس چیز کے بارے میں پوچھ گچھ کر رہے ہیں۔ کیا اس بڑی چیز کے بارے میں....." "نباءِ عظیم" سے مراد

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ذات لی ہے۔[1]

تاویل کے قواعد و ضوابط

اب تک جو بات ہوئی ہے اس سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ تاویل کے لیے غور و فکر کے علاوہ کسی دلیل (یا احتمال) اور ضرورت کی موجودگی بھی ضروری ہے بصورتِ دیگر نصوص کے ظاہری معنی کو اخذ کر لینا محفوظ طریقہ ہے۔ تاویل کی طرف صرف اجتہادی امور کی صورت میں رجوع کیا جائے۔ رہے اعتقادی مسائل تو ان میں اجتہاد کی سرے سے کوئی گنجائش ہی نہیں۔ ان میں نصوص کے ظاہری معنی لینا اور حقیقت میں مراد لیے گئے معانی اور کیفیات کو خدا کے سپرد کر دینا خالی از خطر راستہ ہے اور سلف صالحین کا بھی یہی موقف رہا ہے۔

تاویل ناگزیر ہو جانے کی صورت میں نص کو سمجھنا، اس کا تجزیہ کرنا، اور لغوی لحاظ سے ساری وجوہ کا احاطہ کرنا ضروری ہے (جو مقاصدِ شریعت اور عام شرعی کلیات اور قواعد کے مطابق بھی ہوں) اسی لیے کسی مسئلے میں نص کے ظاہری معنی کے مطابق حکم بیان کرنا یا دلالت کی مختلف وجوہ معلوم کرنے کے لیے نص کا تجزیہ کرنا فقہی اجتہاد اور شرعی اعتبار و قیاس کی ایک اہم قسم ہے، جس کا اس آیت میں حکم دیا گیا ہے۔ فَاعْتَبِرُوا يَا أُولِي الْأَبْصَارِ (الحشر-۲)
"پس عبرت حاصل کرو اے دیدۂ بینا رکھنے والو!"

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ نے تفسیر کے قواعد و ضوابط بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ تفسیر کی چار اقسام ہیں:

۱- ایک قسم ایسی ہے جو عربوں کے ہاں ان کے کلام میں معروف ہے۔
۲- دوسری قسم وہ ہے جس کے نہ جاننے میں کسی کا عذر قابلِ قبول نہیں ہے (یعنی جو ہر ایک کو معلوم ہونی چاہیے)
۳- تیسری قسم جسے صرف علماء جانتے ہیں۔
۴- چوتھی قسم جسے صرف اللہ جانتا ہے۔

اس بنا پر تاویل اور تفسیر کا آپس میں گہرا تعلق ہے۔ شارع نے کئی مقامات پر ان میں سے

---

[1] اصول الکافی ۱/ ۲۱۴

ایک کو دوسرے کی جگہ استعمال کیا ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَمَا يَعْلَمُ تَأْوِيلَهُ إِلَّا اللَّهُ وَالرَّاسِخُونَ فِي الْعِلْمِ يَقُولُونَ آمَنَّا بِهِ (آل عمران - ۷) "ان کا حقیقی مفہوم اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا اور جو لوگ علم میں پختہ کار ہیں وہ کہتے ہیں کہ ہمارا ان پر ایمان ہے"۔

مفسرین کی اکثریت نے یہاں "تاویل" سے تفسیر اور بیان کو مراد لیا ہے۔ امام طبریؒ بھی ان میں شامل ہیں، جنہوں نے حضرت ابن عباسؓ اور دیگر حضرات سے اس کے یہی معنی نقل کیے ہیں۔

اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابن عباسؓ کے لیے جو دعا فرمائی اس میں فرمایا: اَللّٰهُمَّ فَقِّهْهُ فِي الدِّيْنِ وَعَلِّمْهُ التَّاوِيْلَ (اے اللہ! اسے دین کی سمجھ اور قرآن کی تفسیر کا علم عطا فرما)۔ یہاں بھی تاویل کا لفظ تفسیر اور بیان کے معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ کچھ علما، نے تفسیر کو تاویل کے مقابلے میں زیادہ "عام" شمار کیا ہے۔ جیسا کہ "المفردات" کے مصنف علامہ راغب اصفہانی کا خیال ہے۔ انھوں نے کہا کہ تفسیر کا لفظ زیادہ تر الفاظ کے بیان اور شرح کے لیے استعمال ہوتا ہے جب کہ تاویل زیادہ تر معانی اور جملوں کے بیان کے لیے استعمال ہوتی ہے۔

وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ تاویل کا اطلاق عام طور پر کتاب و سنت کی نصوص سے معانی کے استنباط پہ ہوتا ہے، جب کہ تفسیر کا لفظ کتاب و سنت میں سے کسی بھی نص سے معانی کے استنباط پہ بولا جاتا ہے۔

کتاب اللہ اور سنتِ رسول میں استعمال کے لحاظ سے ان دونوں اصطلاحات کے درمیان پائے جانے والے گہرے تعلق کی روشنی میں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ "تاویل" کے قواعد و ضوابط بھی وہی ہیں جو ماہرینِ فن نے تفسیر کے لیے مقرر کیے ہیں۔

اس بات میں شبہ کی کوئی گنجائش موجود نہیں ہے کہ کتاب اللہ میں چند ایسی چیزیں پائی جاتی ہیں جن کا علم صرف اللہ تعالیٰ کے پاس ہے جیسے اسماء اور صفاتِ خداوندی کی صحیح پہچان کا علم، اور امورِ غیبیہ کی تفصیلات وغیرہ۔ اسی طرح کچھ ایسے امور بھی ہیں جن کا صرف نبیؐ کو علم دیا گیا ہے

اور کوئی شخص ایسی چیزوں کی تفسیر یا تاویل بیان کرنے کا مجاز نہیں ہے۔ ہر شخص پر فرض ہے کہ کتاب اللہ اور سنّتِ رسولؐ کی حدود کا پابند رہے اور ان سے تجاوز نہ کرے۔

اِن دو اقسام کے علاوہ ایک تیسری قسم بھی ہے، اور یہ ایسے علوم ہیں جن کی اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام کو تعلیم دی، جو قرآن میں موجود ہیں۔ اور حضورؐ کو حکم دیا کہ لوگوں کو ایسے علوم سکھائیں۔ اور انہیں بیان کریں۔ ایسے علوم کی دو قسمیں ہیں:

۱۔ وہ اُمور جن میں بحث و تمحیص کی گنجائش نہ ہو، بلکہ صرف منقول چیزوں پر اکتفا کیا جائے۔ جیسے قرآن کے اسبابِ نزول اور ناسخ و منسوخ وغیرہ۔

۲۔ ایسے اُمور جو استدلال اور غور و فکر کے ذریعے معلوم کیے جائیں۔ ان کے بارے میں بھی علمائے حق کے دو موقف ہیں:

ا۔ ان اُمور کی پہلی قسم وہ ہے جس کی تاویل کے جواز یا عدم جواز کے بارے میں ان کا آپس میں اختلاف ہے جیسے اسماء اور صفاتِ خداوندی سے متعلق آیات۔ اس کے بارے میں سلف کا طریقہ یہ ہے کہ یہاں تاویل ناجائز ہے اور درست مذہب بھی یہی ہے۔

ب۔ دوسری قسم (جس کے جائز ہونے پر ان کا آپس میں اتفاق ہے) یہ ہے کہ تفصیلی دلائل سے شرعی احکام مستنبط کیے جائیں۔ اس کا نام " فقہ" ہے۔

اس کے ساتھ ساتھ علماء نے تاویل اور تفسیر کی کچھ شرائط بھی مقرر کی ہیں، جن میں سے چند ایک درج ذیل ہیں:

۱۔ تاویل، لغوی قواعد اور الفاظ کے استعمال میں عربوں کے عرفِ عام کی روشنی میں سمجھ میں آنے والے ظاہری معنی کو ختم نہ کر دے۔

۲۔ کسی صریح نصِ قرآنی کے خلاف نہ ہو۔

۳۔ علماء اور آئمہ کے درمیان کسی متفق علیہ شرعی قاعدہ کے خلاف نہ ہو۔

۴۔ سببِ نزول کے لحاظ سے نص جس مقصد کے لیے وارد ہوئی ہو، اس کا لحاظ رکھا جائے۔

جہاں تک باطل یا قابلِ ترک تاویل کی اقسام کا تعلق ہے تو انہیں مندرجہ ذیل چند اقسام

میں بیان کیا جا سکتا ہے :

۱۔ تاویل اور تفسیر کسی ایسے شخص سے صادر ہوئی ہوں جو ان کا اہل نہ ہو، جس کے پاس لغوی نحوی اور تاویل کے لیے ضروری دیگر شرائط کا خاطر خواہ علم نہ ہو۔

۲۔ "متشابہات" کی کسی صحیح سند کے بغیر تاویل۔

۳۔ ایسی تاویلات جو کتاب و سنت کے واضح معانی یا اجماعِ اُمت کے منافی باطل آرا کو درست ثابت کرتی ہوں۔

۴۔ تاویل کے ساتھ قطعیت سے (بغیر دلیل لائے) یہ کہنا کہ شارع کی یہی مراد ہے۔

۵۔ ایسی تاویل جس کی بنیاد خواہش نفس پر ہو، جیسے باطنیہ وغیرہ (فرقوں) کی تاویلات۔

یہ تمام قابلِ ردّ تاویلات "تاویل مستبعد" (دُور از کار تاویل) کے زمرے میں آتی ہیں۔ جس کا ذکر ہم پہلے صفحات میں کر چکے ہیں۔ (باقی)

احتیاط

ترجمان القرآن میں ضرورت استدلال کے لیے آیات و احادیث شائع ہوتی رہتی ہیں۔ قارئین سے گذارش ہے کہ جن اوراق پر آیات و احادیث ہوں، ان کا خاص احترام ملحوظ رکھیں تا کہ بے ادبی نہ ہونے پائے۔

(ادارہ)

رسائل و مسائل

سفر میں قصرِ صلوٰۃ

جناب مولانا عبدالمالک صاحب - شعبۂ استفسارات - منصورہ، لاہور

سوال:- ہمارے کالج میں ایک مسئلہ وجہ نزاع بنا ہوا ہے۔ اس میں راہنمائی فرما کر ممنون فرمائیں:

۱- ہم طالب علم دور دراز علاقوں سے آئے ہوئے ہیں، ہمارے کورس کی مدت ۹ ماہ ہے لیکن ہم ہر ہفتے واپس گھر چلے جاتے ہیں۔ کیا ہم نماز قصر ادا کریں یا مکمل۔

۲- جس آدمی پہ نماز قصر واجب ہے۔ وہ آدمی اگر مکمل نماز ادا کرے تو گناہ گار ہوگا یا نہیں؟

جواب:-

۱- آپ لوگ مقامی امام کے پیچھے نماز پڑھنے کی کوشش کریں تاکہ سرے سے یہ مسئلہ نہ پیدا ہو کہ آپ نے پوری نماز پڑھنی ہے یا قصر کرنا ہے۔ اگر اتفاقاً نماز با جماعت نہ ملے تو ایسے طلبا جن کے گھر کالج سے اڑتالیس میل (۴۸) کے فاصلہ پہ ہیں اور ہر ہفتہ گھر جاتے ہیں تو وہ قصر کریں۔ اور جنہوں نے پندرہ دن بعد گھر جانا ہو وہ پوری نماز پڑھیں۔ کیونکہ وہ مقیم شمار ہوں گے اور ہر ہفتہ گھروں کو جانے والے کالج کے ہاسٹل میں مسافر شمار ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ آپ جیسے دیندار اور اسلامی انقلاب کے لیے جد و جہد کرنے والے طلبہ کی تعداد میں اضافہ فرمائے۔

۲- جس آدمی پر قصر نماز واجب ہے وہ قصر پڑھے۔ مقصد تو اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل ہے۔ رہی عبادت تو اس کے لیے ضروری نہیں کہ فرضوں کی تعداد میں اضافہ کیا جائے۔ نوافل پڑھے جاسکتے ہیں جیسے زیادہ عبادت کا شوق ہو وہ تہجد، اشراق، اوابین، صلوٰۃ التسبیح پڑھ لیا کریں۔

تین سوال

سوالات: سوالات درج ذیل ہیں:-

۱- ایک شخص ظہر کی نماز میں جماعت کے ساتھ اس وقت شریک ہوتا ہے جبکہ ایک رکعت گذر چکی ہوتی ہے۔ اب جب وہ یہ رکعت آخر میں پڑھتا ہے تو فاتحہ کے بعد وہ شخص جو سورت پڑھے گا۔ وہ قرآن میں ترتیب کے لحاظ سے پہلے آنے والی سورت پڑھے گا یا بعد میں آنے والی سورت۔ مثلاً جب وہ جماعت میں شریک ہوا تو دوسری رکعت جاری تھی۔ اور امام نے سورہ علق پڑھی۔ اب سلام کے بعد جب وہ کھڑا ہوگا تو کیا سورۃ الناس پڑھے یا سورہ فلق سے پہلے آنے والی کوئی سورۃ پڑھے گا؟

۲- رسالہ ہفت روزہ "ختم نبوت" میں جناب مولانا نے فتویٰ دیا ہے کہ ٹیلی وژن دیکھنا حرام ہے حتیٰ کہ اگر ٹی۔وی پر حج کی کارروائی بھی نشر ہو رہی ہو تو اسے دیکھنے سے بھی گناہ ہوتا ہے۔ یہ بات کہاں تک صحیح ہے؟ کیونکہ ٹی۔وی کے منفی پہلوؤں کے ساتھ ساتھ بہت سے مثبت پہلو بھی ہیں۔

۳- مسجد میں کھڑے ہو کر یا مسجد کے سپیکر سے کسی گمشدہ چیز کا اعلان کرنا یا کسی کے جنازے کی اطلاع عوام تک پہنچانا شرعاً درست ہے؟ کیونکہ ہماری مسجد کے امام صاحب اسے ناجائز قرار دیتے ہیں۔

جوابات:-

۱- مقتدی جب امام کے سلام پھیرنے کے بعد اپنی بقیہ نماز پڑھنا شروع کرے تو فاتحہ کے بعد کوئی بھی سورۃ پڑھ سکتا ہے، ترتیب کا قائم رکھنا ضروری نہیں ہے۔ دراصل ایسا شخص

جس سے کچھ رکعتیں رہ جائیں وہ اُن کی قضا کرتا ہے، جنھیں امام اس سے پہلے پڑھ چکا تھا۔ گویا یہ بعد والی رکعتیں پہلے پڑھتا ہے اور پہلے والی رکعتیں بعد میں پڑھتا ہے۔ اس طرح سے اس کی نماز میں ترتیب تو ختم ہو گئی ہے۔ آپ کے سوال سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ امام کے پیچھے فاتحہ کے علاوہ "سورۃ" بھی پڑھتے ہیں ایسا کرنا ٹھیک نہیں ہے۔ امام کے پیچھے "سری نمازوں" میں صرف فاتحہ پڑھنے کی اجازت ہے۔ بہرحال جب ایسی صورت پیش آجائے تو ان رکعتوں میں، جن کی آپ امام کے پیچھے قضا کریں کوئی بھی سورت پڑھ سکتے ہیں۔ امام نے جو سورتیں پڑھی ہیں، اُن کو مدنظر رکھ کر ترتیب سے سورتیں پڑھنا ضروری نہیں ہے۔ بالعموم کبھی پہلے پڑھی جانے والی رکعت کے بارے میں معلوم ہی نہیں ہوتا کہ کیا پڑھا گیا۔ خصوصاً سری نمازوں میں تو بالکل ہی لاعلمی رہتی ہے۔

۲۔ ٹی وی پر ایسا پروگرام دیکھنا جائز ہے جسے ٹی وی کے بغیر دیکھنا جائز ہے، یعنی جو چیز بذاتِ خود ایسی نہ ہو کہ اُسے نہ دیکھا جاسکتا ہو اُسے ٹی وی پر دیکھا جاسکتا ہے اور جس کا بذاتِ خود دیکھنا ممنوع ہو اُسے ٹی وی پر دیکھنا بھی ممنوع ہوگا۔

۳۔ مسجد میں کسی ایسی گمشدہ چیز کا اعلان نہیں کیا جاسکتا جو مسجد میں نہ گم ہوئی ہو، اس کے علاوہ ایسے دوسرے اعلانات کیے جاسکتے ہیں جن کا دنیوی کاروبار سے تعلق نہ ہو۔ نمازِ جنازہ کا اعلان اور جلسے کا اعلان مسجد سے ہو سکتا ہے۔

مطبوعات

مشنری تعلیمی اداروں کا تحقیقی جائزہ | از پروفیسر سید محمد سلیم صاحب - ناشر: ادارہ تعلیمی تحقیق ۸- اے، ذیلدار پارک، اچھرہ - لاہور - صفحات: ۳۲ قیمت: ۴/- روپے

ہماری تاریخی غلامی میں ایک بڑا حصہ عیسائی مشنری تعلیمی اداروں کا ہے، جو تمام دنیا میں سرمایہ دار سامراجی قوتوں کے امپریلزم کے آگے فکری و ثقافتی غلامی کے بیج پھیلانے کے لیے چلتے ہیں۔ اور جہاں سامراجی قوتوں کی سیاسی برتری ختم ہو جاتی ہے، وہاں وہ ان کی فکری اعتقادی اور ثقافتی برتری کو پھیلا کر کسی قوم کو حقیقی غلامی سے نکلنے نہیں دیتے، نیز وہ ایک ملک کے عوام پر مسلط کرنے کے لیے آقاؤں کے ایک مختصر سے طبقے کو ایک خاص ذہنیت کے ساتھ تیار کرتے رہتے ہیں اور یہ طبقہ بالعموم مغرب پرست اور سیکولرسٹ ہوتا ہے۔ علاوہ ازیں کتنی ہی شہادتیں موجود ہیں کہ ان اداروں نے مسلم اور ایشیائی ممالک میں اہلِ مغرب کے لیے جاسوسی کی ہے۔

سید محمد سلیم صاحب کے اس پمفلٹ کو پڑھنے سے اس سلسلے میں خالص تعلیمی فلسفے کے نقطۂ نظر سے بڑے اہم نکات سامنے آتے ہیں۔

قومی زبان | مدیر: جمیل الدین عالی (و دیگر اصحاب)، ناشر: انجمن ترقی اردو پاکستان، بابائے اردو روڈ، کراچی نمبر ۱ - فی پرچہ پانچ روپے - سالانہ پچاس روپے - اور قیمت شمارہ اکتوبر ۱۹۸۶ء، خاص نمبر ہونے کی وجہ سے (بیادِ قدرت اللہ شہاب)، ۱۰/- روپے۔

قدرت اللہ شہاب مرحوم کی انتظامی قابلیتوں، تخلیقی صلاحیتوں اور دفتری دنیا میں مولے کے شاہباز سے لڑ جانے کے بعض واقعات کو میں جانتا تھا - ان کی تحریریں بھی دیکھیں - مگر ان کی شخصیت کو پوری طرح کبھی سمجھ نہ سکا - میں تو دُور سے دیکھنے والا تھا - بعض قریبیوں کا خیال بھی یہی تھا کہ معلوم نہیں کہ اصل شہاب کیا ہے -

اب قومی زبان کا یہ نمبر پڑھ کر جہاں اس کے معرکہ ہائے زندگی کے ساتھ اس کی تخلیقات کے متعلق توضیحی گفتگوئیں سامنے آئیں - اور پھر شہاب کو گھریلو زندگی کے گلدستے میں سجے ہوئے دیکھا تو نتیجہ یہی نکلا کہ وہ ایک انسان تھا جس کی اصل متاعِ گراں بہا دردمندی تھی - اور کسی کی دردمندی جب سامنے آتی ہے تو میرا اپنا دل پگھل جاتا ہے -

میں نے اس کے متعلق قومی زبان میں ہر چیز کو بغور پڑھا - اور اس سے اثر لیا - خدا سے دُعا ہے کہ وہ اس کی کمزوریوں، کوتاہیوں، لغزشوں سے درگذر فرمائے - اور دفتری ماحول اور ایک خاص طبقے کی دوستیوں کے ماحول نے اگر کبھی اس کے ذہن میں کوئی نظریاتی ٹیڑھ پیدا کیا ہو تو اللہ اسے بھی حسابِ شہاب سے کاٹ دے اور مغفرت فرمائے -

---

صفِ مژگاں | مجموعہ کلام نظر حیدر آبادی - ناشر: بہادر یار جنگ اکادمی، سراج الدولہ روڈ بہادر آباد، کراچی - صفحات: سوا دو سو - قیمت: ۳۰/- روپے -

ترجمان القرآن میں جب کوئی شعری و ادبی مجموعۂ نگارشات تبصرے کے لیے آجاتا ہے تو میں سخت آزمائش میں پڑ جاتا ہوں - اوراق میں جتنی جگہ نکل سکی ہے، اس سے تین گنا کتب و جرائد پڑے ہیں - اور ہر روز ان میں اضافہ ہوتا رہتا ہے - شعر و ادب پہ باتیں اجمال سے کرنا مشکل - بہرحال کسی نہ کسی طرح فریضۂ تعارف ادا کرنا ہے -

کوئی شک نہیں کہ نظر حیدر آبادی کی شاعری ایک ایسے متحرک بادل کی طرح تھی جو ہلکی ہلکی پھوار سے اپنے سارے چمنستانِ ہنر کی کیاریوں پہ موتی برسا گیا -

بس اب چند شعر ملاحظہ ہوں ؎

وہ گیت جسے اپنی نگاہوں نے لکھا ہے — احساس نے گایا ہے محبت نے سُنا ہے

جہاں سے مٹتا جاتا ہے تضادِ خیر و شر لیکن — دلوں کا کفر چہروں کی مسلمانی نہیں جاتی

آسمانوں نے جنہیں خواب بنا رکھا تھا — میرے ساغر میں وہ انجم بھی چمک جاتے ہیں

خدایا ہم سے خودداروں کی آخر کیا ضرورت تھی — تری دنیا سراسر بندگی معلوم ہوتی ہے

اے خدا! زیست اِ غمِ شام و سحر ہے کہ نہیں؟ — تجھ کو اس مرگِ مسلسل کی خبر ہے کہ نہیں؟
"ارضِ نو" اپنے تقدس کی قسم، سچ کہنا — تو بھی اِک مقتلِ اربابِ ہنر ہے کہ نہیں؟

پورا مجموعہ بغور پڑھنے کے قابل ہے، اور اُردو کے سرمایۂ شعر و ادب میں اضافہ!

سوشلسٹ کی ڈائری اور لیلیٰ کے خطوط از پروفیسر کریم بخش نظامانی۔ ناشر: انقلاب پبلیکیشنز حیدرآباد۔ ملنے کا پتہ: ڈائریکٹر اسلامک اکیڈمی۔ یونٹ C — 7۔ لطیف آباد، حیدرآباد۔

سندھ میں نظریاتی طور پر جو خرابیٔ احوال پیدا ہوئی ہے اور اب بڑھتے بڑھتے ایک مقامِ خطرناک پر آپہنچی ہے، اس کے بروقت توڑ کرنے میں صحیح النظر لوگوں کی کوتاہی بڑی افسوس ناک ہے۔ ایک بڑا امیدان یہ تھا کہ آج سے چند سال پہلے (۱۹۶۵ء کے فوراً بعد) انفرادی اور وفدی شکل میں ایک ایک شخص سے بالمشافہ مل کر اسلامی دعوت پہنچائی جاتی، دوسرے سندھی زبان میں سیرت اور تاریخ اور اپنی عظیم شخصیتوں کے سوانح کو تیزی سے منتقل کر دیا جاتا، تیسرے ادبی محاذ پر سندھی میں زور شور سے مہم چلائی جاتی۔ اگر صحیح طور پر ۶۶ء سے یہ کام کیا گیا ہوتا تو ۸۶ء میں نقشۂ احوال بالکل دوسرا ہوتا۔

اب کریم بخش نظامانی کی کتاب سوشلسٹ کی ڈائری اور لیلیٰ کے خطوط کو دیکھ کر خوشی ہوئی کہ ادبی محاذ سے پہلا فائر ہوا۔

اصل میں نظامانی صاحب سے میری زبانی بھی بات چیت ہوئی تھی۔ سندھ میں جو "نوجوان لکھاڑ" ادبی تحریک چل رہی ہے وہ ناول اور افسانے کے زور سے چل رہی ہے۔ اس میدان میں ہمارا کام نہیں ہے۔ اپنے لوگ اِدھر متوجہ بھی نہیں ہیں۔ اس خلا کو مکالماتی انداز سے پُر کیا جاسکتا ہے۔ نظامانی صاحب نے خطوط کے ذریعے مکالماتی انداز کا راستہ اختیار کرلیا ہے۔ بس اتنی احتیاط کریں کہ بات کا فوری فیصلہ اپنے حق میں جاہنے کے لیے پروپیگنڈے کا رنگ تیز نہ کریں۔ پہلے مخالف سائڈ کو زور پر دکھائیں اور آہستہ آہستہ اسی کے ذہن سے نیا نقطۂ نظر خود احتسابی یا تنقید کے طور پر اگلوائیں۔

یہ کام اُردو سے بڑھ کر سندھی میں ہونا چاہیے۔

دوسرے بھارت اور رُوس کی غرابئی احوال پر بہترین لٹریچر کا انتخاب کر کے اس کے تراجم سندھی میں کریں۔

بہرحال نظامانی صاحب تبریک کے مستحق ہیں۔

اہل بیت تالیف: سلمان احمد، خطیب جامع مسجد مرکزی، ٹوبہ ٹیک سنگھ۔ ناشر: کتب خانہ قاسمیہ، جامع مسجد مرکزی ٹوبہ ٹیک سنگھ۔ قیمت: ۲۵/- روپے

اس کتاب کی قدر و قیمت کے لیے تو یہی بات کافی ہے کہ اس میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے شجرہ کے ساتھ قریبی آباؤ اجداد کے حالات درج ہیں۔ آپؐ کے خاندان کے بزرگوں اور اقرباء کا تذکرہ ہے۔ آپ کی ازواجِ مطہرات کے بارے میں سوانحی اور ازدواجی معلومات ہیں۔ سیرتِ پاکؐ کے کئی پہلو مذکور ہیں۔ حضورؐ کے دَور مابعد اور المعائبۂ خلافت کے بعد کا بھی ذکر ہے۔

اختصاصی پہلو اس تحریر کا یہ ہے کہ ایک تو ازواجِ مطہرات کو آیتِ تطہیر کا مخاطب ہونے کی وجہ سے اہلِ بیت قرار دیا گیا ہے اور اس پر خاصی بحث ہے (ص ۱۳۰)۔ دوسرے مؤلف کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ "صحابہ ہی وحیٔ رسول تھے" (ص ۱۹)۔ تیسرے یہ کہ "شیعہ پروپیگنڈا سے متاثر ہو کر عوام اہل السنۃ بھی یہ سمجھتے ہیں کہ آل النبیؐ، اہلِ بیت نبویؐ اور "سیّد" صرف حضرت فاطمہؓ کی اولاد ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بقیہ دو بیٹیوں، ازواجِ مطہرات، چچاؤں، خالاؤں، پھوپھیوں اور تمام قریبی رشتہ داروں کی

اور ان کی اولاد کو یہ شرف حاصل نہیں ہے۔

کتاب اپنے موضوع پر بڑی دلچسپ ہے۔

اخبارِ اُردو | مدیر مسئول: ڈاکٹر وحید قریشی صدر نشین مقتدرہ قومی زبان۔

مقامِ اشاعت: شمائلہ اعوان پلازہ - ۱۶۔ڈی (غربی) بلیو ایریا - ایف ۶/۱ اسلام آباد۔

فی پرچہ ایک روپیہ - سالانہ دس روپے۔

جنوری ۱۹۸۷ء میں جلد نمبر ۴ کا جو شمارہ نمبر ۱ شائع ہوا ہے۔ وہ گویا ایک خاص نمبر ہے جس کا موضوع ڈاکٹر سید عبداللہ مرحوم کی ذات و خدمات ہیں۔ اور عنوان ہے "محسنِ اُردو نمبر"۔ اس نمبر میں آپ کو ڈاکٹر صاحب مرحوم کا پورا تعارف، ان کے متعلق منظوم خراجِ عقیدت، قطعاتِ تاریخ، تاثرات، نوادرات، مضامینِ سید، انتخابِ خطباتِ سید اور ڈاکٹر صاحب ہی کی کتاب "مقاصدِ اقبال" پر تبصرہ یک جا ہیں۔ اتنے محدود صفحات (۶۰) میں نہایت قلیل عرصے میں جو کچھ سامانِ مطالعہ جمع کرکے اربابِ مقتدرہ نے پیش کر دیا ہے، قابلِ تحسین ہے۔ اور اعتراف و تحسین کا طریقہ یہی ہے کہ زیادہ سے زیادہ اصحاب اس نمبر کو حاصل کرکے پڑھیں۔

مقتدرہ قومی زبان کے پمفلٹ | پیش کش مقتدرہ قومی زبان - اسلام آباد - ناشر: ڈاکٹر وحید قریشی صدر نشین مقتدرہ - پتہ: مکان نمبر ۱۰، گلی نمبر ۳۲، سیکٹر ایف ۸/۱ - اسلام آباد۔

جب سے ہمارے کرم فرما ڈاکٹر وحید قریشی صاحب نے جوش سے "مقتدرہ" کے ادارے کو سنبھالا ہے، وہ بڑی سرگرمی سے کام کر رہے ہیں۔ اس سے پہلے انہی کے دور میں چند پمفلٹ مقتدرہ کی طرف سے موصول ہوئے تھے اور ان کا تعارف کرایا گیا تھا۔ اب گیارہ پمفلٹ مزید موصول ہوئے ہیں۔ تمام پمفلٹ سفید کاغذ پر پرکشش اور دیدہ زیب طباعتی نفاست کے ساتھ شائع ہوئے۔ سب پر رنگین سرورق ہیں۔ ان میں سے اُردو زبان سے متعلق بہت سی نادر معلومات یا تحقیقی بحثیں پیش کی گئی ہیں۔

پوری فہرست یہ ہے:- ۱۔ مشینی ترجمے کا ماضی اور مستقبل (از خورشید یوسف) ۲۔ اُردو کی پہلی مطبوعہ کتاب (از سلیم الدین قریشی) ۳۔ برطانیہ میں اُردو کے چار سال (از الف رسل کے

مضمون کا ترجمہ از ڈاکٹر انعام الحق جاوید) ۴- ترکی میں اُردو (از کرنل مسعود اختر شیخ) ۵- چین میں اُردو (از کوثر جمال) ۶- ذخیرۂ شیرانی میں اُردو مخطوطات (از سید جمیل احمد رضوی) ۷- بلوچی سے اُردو تراجم (ڈاکٹر انعام الحق کوثر) ۸- اُردو اور صوفی ازم (از ڈاکٹر مرزا حامد بیگ) ۹- پشتو سے اُردو تراجم حصہ اوّل (از پُردل خٹک) ۱۰- قومی یک جہتی اور ادب کا کردار (از ڈاکٹر وزیر آغا) ۱۱- عزیز احمد - کتابیات (از ڈاکٹر مرزا حامد بیگ)۔

یہ خدمت بہت قابلِ قدر ہے۔

سوویٹ ملٹری جاسوسی تنظیم | مصنف - دکٹر اسفاروف - اُردو ترجمہ از موسیٰ خان خلال زئی۔

ناشر: سید جمال الدین افغانی اسلامی اکیڈیمی، لاہور - قیمت: ۴۰/- روپے

مدعا کتاب کے نام سے ہی ظاہر ہو جاتا ہے۔ روس کی فوجی جاسوسی تنظیم (G.R.U) کا ڈھانچہ، آدمیوں کی تیاری، اُن سے کام لینے کے طریقے، خاص طور پر نشان زد علاقوں میں جنگ سے پہلے یا دورانِ جنگ میں جاسوسی کرنے کا فن، وغیرہ معلومات سادہ انداز سے تحریر کی گئی ہیں۔

سید احمد شہیدؒ کی اُردو تصانیف | از مولانا ڈاکٹر محمد عبدالحلیم چشتی - ناشر: الرحیم اکیڈیمی، اے ۷/۷ اعظم نگر، لیاقت آباد - کراچی ۱۹ قیمت: ۱۲/- روپے

یہ کتاب بھی اسی لیے روکے رکھی کہ شاید کبھی اس پر زیادہ گفتگو کرنے کا موقع ملے۔ مگر اب مجبوراً اتنا ہی لکھنا ہے کہ اس کتاب کا اصلی موضوع یہ ہے کہ سید صاحب کی تصانیف اور تحریک کا اُردو ادب پر کیا اثر پڑا۔

یہ ایک مفید اور ضروری مبحث ہے۔ مگر چشتی صاحب نے صرف اُردو کے مذہبی انداز کے مقالاتی ادب کو لیا ہے۔ حالانکہ شاعری پر بھی ان کا بہت بڑا اثر پڑا۔ یہ پہلو ساقط ہو گیا۔

دوسرا قابلِ توجہ نکتہ یہ ہے کہ سید صاحب کی شخصیت غلبۂ اسلام اور احیائے دین کی ایک علامت ہے۔ اس کو فقہی اختلافی نزاعات کے درمیان کھڑا کر کے دکھانا خود سید صاحب کے مقصد کو نقصان

پہنچانا ہے۔ لہٰذا میری عاجزانہ درخواست یہ ہے کہ اس مجاہد شہید کو داعیٔ اقامتِ دین کی حیثیت سے پیش کیا جائے۔

عکس کعبہ و روضۃ الجنۃ ایک تعارف نامہ متعلق بہ کلام (حمد و نعت) ابو الاتیانہ، ع، س، مسلم۔

ع، س، مسلم صاحب نے حمد و نعت کی وسیع پُر نور فضاؤں میں عقیدت و فن کی جو رنگ برنگی قوس قزح ہماری نگاہوں کو ارزانی فرمائی ہے۔ اس کو ایک شعری مجموعے کی شکل میں اشاعت سے پہلے میں نے دیکھا۔ اور دیکھ کر ہی دل مرعوب ہو گیا۔ اس کی اشاعت پر ایک شاندار تقریب کراچی میں منعقد ہوئی۔ اس کتابچے میں اسی کی ایک جھلک ہے۔

مسلم صاحب کے کلام کے متعلق اچھے درجے کے جن اہل قلم اور ارباب سخن نے کلام کیا ہے، ان کے پُر زور تحسینی کلمات کو پڑھنے کے بعد مجھ ایسے کوتاہ فکر آدمی کو موزوں الفاظ ہی نہیں مل رہے۔ بہر حال یہ کتابچہ جو میرے سامنے ہے، یہ گواہ ہے کہ ع، س، مسلم نے بہت بڑا مقام حاصل کر لیا ہے۔ مبارک!

پی۔ایس۔او ریویو کا خصوصی سیرت نمبر ماہنامہ پاکستان اسٹیٹ آئیل ریویو۔ پی۔او بکس ۳۹۸۳ کراچی۔ مدیر جناب عبدالجلیل صاحب۔ سیرت نمبر مفت تقسیم کیا گیا ہے۔

مقامِ مسرت ہے کہ پی۔ایس۔او میں ایسے لوگ کام کر رہے ہیں، خصوصاً جناب عبدالجلیل ایسا مزاج رکھتے ہیں کہ تیل اور تیل کی دھار دیکھنے تک اپنی سرگرمیوں کو محدود کرنے کے بجائے انھوں نے اس چراغِ ہدایت کا تذکرہ چھیڑا ہے جو انوارِ الٰہی کے تیل سے روشن تھا اور ہے۔ زندگی میں شارع بن کر اور بعدِ حیات اسوہ بن کر وہ ہستی ہمارے سامنے جلوہ گر ہے۔

اس رسالے نے شاہ مصباح الدین شکیل کی لکھی ہوئی سیرت کو جز بہ جز شائع کرنے کا سلسلہ

شروع کیا ہے۔ پہلا حصہ ظہور قدسی (ولادت) سے غارِ حرا تک تھا۔ دوسرا حصہ غارِ حرا سے ہجرتِ حبشہ تک اور اب تیسرا حصہ ہجرتِ حبشہ سے مسجد قبا تک اشاعت میں آیا ہے۔ دلی اعتراف ہے کہ سیرتِ پاک بہت اچھی زبان میں لکھی گئی ہے اور اجمال اور تفصیل کے بین بین ایک ایسا راستہ اختیار کیا گیا ہے کہ نہ معلوماتی تشنگی رہتی ہے اور نہ پڑھنے والے کو طویل عبارت کا بوجھ محسوس ہوتا ہے۔ پھر طباعت (آفسٹ) کی خوبصورتی نے حُسنِ تحریر کو اور دوبالا کر دیا ہے۔ جہاں ضرورت تھی وہاں متعلقہ یا متاثرہ افراد کی فہرستیں دی گئی ہیں۔ کہیں نقشوں سے حقائق کو واضح کیا گیا ہے۔ جناب ابوطالب کے قصیدہ کا ترجمہ بھی شاملِ اشاعت ہے۔ حضورؐ اور بنو ہاشم سے مقاطعہ کرنے کے لیے جو معاہدہ کیا گیا تھا۔ اس کی دفعات درج ہیں۔ متعدد مقامات پر آیاتِ قرآنیہ سے استفادہ کیا گیا ہے، ذیلی سُرخیوں میں ادبیت ہے اور کہیں کہیں مصرعے یا مصرعوں کے اجزا لکھے گئے ہیں۔ سفرِ ہجرتِ نبوی کا رنگین نقشہ تو بہت ہی خوشنما ہے۔

اللہ تعالیٰ مؤلف، مدیر اور پی ایس او کے محبانِ رسالتؐ کو خاص جزا دے۔ ہم منتظر ہیں کہ بقیہ حصہ سیرت بھی جلد سامنے آئے اور پھر اسے یکجا کتابی شکل میں شائع کیا جائے۔

الحسنات (اشاعت خاص)
مدیر: صابر قرنی صاحب۔ دفتر: ۱۹-سی۔ منصورہ۔ ملتان روڈ لاہور
قیمت خاص نمبر ۱۲/- روپے۔ عام شمارہ ۵/- روپے۔ سالانہ ۵۰/- روپے

صابر قرنی صاحب معاشرے کی اصلاح اور دعوتِ حق کے فروغ کے لیے سچی تڑپ رکھتے ہیں۔ وہ اور ان کی بیگم صاحبہ بچوں سمیت اس مہم میں لگے رہتے ہیں۔ اس مرتبہ انہوں نے الحسنات کا "زکوٰۃ و عشر نمبر" نکالا ہے۔ اس نمبر کے اداریے میں انہوں نے کچھ تجاویز بھی پیش کی ہیں، جن کا مقصد یہ ہے کہ ایتائے زکوٰۃ و اخذ زکوٰۃ کا جو ناقص تجربہ کیا گیا ہے اس کی خرابیوں اور ناکامیوں سے بچا جا سکے۔

پھر انہوں نے اس خاص نمبر کی محفل میں بہت سے لکھنے والوں کو جمع کر لیا ہے۔ جناب

محمد عبدالحی، مولانا محمد یوسف اصلاحی، بتول النساء زہرا، مولانا ماہر القادری، مولانا جلیل احسن ندوی، مولانا عروج قادری، وحید الدین خان، حافظ ابو محمد امام الدین رام نگری، کوثر اعظمی، سید اسعد گیلانی، علامہ یوسف قرضاوی اور راقم ناچیز۔

ایک سوالنامے کے جواب میں کئی اصحاب کے خیالات یک جا کر دیئے گئے ہیں۔ حکومت کے موجودہ نظامِ زکوٰۃ پر عرفان احمد امتیازی (سابق ایڈمنسٹریٹر)، اور مولانا ریاض الحسن نوری کی تحریریں بھی شامل ہیں۔

۲۶۴ صفحات کا یہ نمبر بڑی اہمیت رکھتا ہے۔

SOVIET MUSLIMS IN BRIEF — انگریزی رسالہ جاری کردہ: اسلامک فاؤنڈیشن، ۲۲۳ لنڈن روڈ لائسسٹر، یو کے، زرِ سالانہ ۴ پونڈ۔

یہ بہت مختصر سا رسالہ ہے اور بہت اہم بھی۔ سوویٹ روس کے مسلمانوں کی نازک پوزیشن کو آپ جانتے ہیں کہ وہ بہت زیادہ کچلے بھی گئے ہیں۔ اور ان میں از سرِ نو اُبھرنے کا جذبہ بھی کام کر رہا ہے۔ اِن مسلمانوں کے ساتھ ہمارے ذرائع روابط بہت کم ہیں۔ اسلامک فاؤنڈیشن نے یہ بڑا اہم کام اپنے ذمے لے لیا ہے کہ سوویٹ مسلمانوں کے متعلق خبروں اور اطلاعات کا ایک ایک ذرہ جگہ جگہ سے چُنا جائے اور پھر ان ذرّوں کو دو ماہی رسالے میں یکجا کر کے فراہم کر دیا جائے۔

اب تک کے دو تین شماروں میں نہایت اچھی معلومات اور اچھے نوٹ شائع ہوئے ہیں۔

تعلیمات — مدیر اعلیٰ: ڈاکٹر محمد اقبال ظفر۔ من جانب: انجمن فاضلین ادارۂ تعلیم وتحقیق جامعہ پنجاب، نیو کیمپس لاہور۔

اِس رسالے کا تعارف کبھی پہلے بھی کرایا جا چکا ہے۔ اب کچھ تھوڑے سے خلا کے بعد نئے شمارے

آئے ہیں - اس لیے "باز بادے صحبتے آراستیم"۔ انجمن فاضلیں بہت ہی ذہین اور تعمیر پسند اور پاکستان دوست اساتذہ پر مشتمل ہے۔ جیسا کہ رسالہ گواہی دیتا ہے - ایک شمارہ اگست ستمبر کا ہے - اور دوسرا اکتوبر، نومبر، دسمبر کا، ان میں تعلیمی موضوعات پر ایسے فکر انگیز مضامین شامل ہیں جن کا تعلق ان اہم مسائل سے ہے جو ہمارے نظام تعلیم کی فلاسفی سے لے کر اس کے اداروں اور اسکیموں کے عملی پہلوؤں تک سے تعلق رکھتے ہیں -

---

مراسلت مولینا مودودیؒ و مریم جمیلہ | ناشر: محمد یوسف خاں اینڈ سنز۔ سنت نگر، لاہور

خوشنما دبیز سرورق - صفحات: یک صد - قیمت درج نہیں۔

محترمہ مریم جمیلہ قبولِ اسلام سے پہلے جس شدید اضطراب سے گذری ہیں اور پھر جس طرح ان کو اسلام کے سرچشمۂ ہدایت کا راستہ ملا - پھر جس طرح انہوں نے اس راہ پر سفر کیا - پھر مولینا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ سے غائبانہ تعارف کے بعد اپنی ذہنی مشکلات اور اسلامی عقائد کے متعلق ان سے خط و کتابت کی یہ ساری کہانی ان خطوط کی شکل میں سامنے آتی ہے۔ جو مولانا مرحوم اور مریم جمیلہ کے درمیان ۵ دسمبر ۱۹۶۰ء سے ۲ مئی ۱۹۶۲ء تک آتے جاتے رہے - اس خط و کتابت کی مدد سے یہ سمجھنا آسان ہو جاتا ہے کہ مغرب میں مذہب و اخلاق کے تقاضوں کے لیے کس طرح کا مخالفانہ ماحول بن گیا ہے - وہاں کی ایک نوخیز خاتون کن مشکلات سے دوچار ہوتی ہے، شرم و حیا کے فطری میلانات کو وہاں کی روایات کس طرح کچلتی ہیں - ایک نیک نہاد شخصیت کے لیے کتنا بڑا ذہنی تصادم پیدا ہو جاتا ہے۔ پھر اصحابِ دعوت و تبلیغ کو بھی رہنمائی ملتی ہے کہ اس نئی دنیا کی روشن جاہلیت کا شکار ہونے والوں کو اسلام کی طرف لانا کیسے ممکن ہے — اور یہ بھی کہ بعض سعید روحیں سیلابِ حالات میں ہاتھ پاؤں مار کر بہر حال اپنا راستہ نکال لیتی ہیں - آج ایک مغرب زادی کس طرح تصنیف کا کام کرنے کے ساتھ گرہستن بن گئی ہے اور پردہ کی سخت پابند ہے -

اصل انگریزی خط و کتابت کا پہلی بار پروفیسر عبدالغنی فاروق ایم اے نے اچھا ترجمہ کیا ہے۔

رُوس میں مسلمانوں کا مستقبل | مؤلف: الیگزینڈر بینگ سن، میری براکس اپ۔
اُردو ترجمہ: فیض احمد شہابی، رکن ادارۂ معارفِ اسلامی، منصورہ، لاہور۔
تقسیم کنندہ: المنار بک سنٹر، منصورہ، ملتان روڈ، لاہور ۱۸۔ سفید کاغذ، صاف طباعت، دبیز رنگین سرورق۔ صفحات: ۱۶۹ — قیمت: ۲۷/- روپے

پچھلی مرتبہ ہم نے "میں نے رُوس میں کیا دیکھا" پر اظہارِ خیال کیا تھا۔ اب یہ دوسری کتاب سامنے ہے۔ موضوع کے لحاظ سے دونوں کو اکٹھے پڑھنا چاہیے۔ اس میں تین باتیں سامنے آتی ہیں۔

۱۔ مذہب (خصوصاً اسلام) کو دبانے اور کچلنے کے لیے پروپیگنڈے، تعلیم، ابلاغ کے ذرائع سے کام لینے کے علاوہ پہلے لوگوں کو فوجی یلغاروں سے بھونا گیا، اُن کو آپس میں لڑایا گیا، ان کو فریب دہی سے ختم کیا گیا، فرداً فرداً پکڑ کر پھانسیاں دی گئیں، معاشی بدحالی میں مبتلا کیا گیا، جیلوں میں بند کیا گیا، بڑی بڑی تعدادوں کو علاقہ بدر کر کے دُور دراز بھیجا گیا، تمام مسجدیں، مزار اور دیگر آثار مٹا دیئے گئے، قرآن تک کا کسی کے پاس ہونا، اذان دینا، سامنے نماز پڑھنا، دوسروں کو اسلام کی دعوت دینا، یا معمولی درجے کی اسلامی روایات کو قائم کرنا جرم ٹھہرا، تمام اسکولوں میں الحاد اور مخالفتِ مذہب کی تعلیم لازمی ٹھہری، لڑکوں اور لڑکیوں کی عادات کو بگاڑنے کی تدبیریں عمل میں لائی گئیں۔

۲۔ بایں ہمہ اسلام کی گہری جڑیں پھر بھی موجود ہیں۔ اور کبھی یہاں اور کبھی وہاں پھوٹ آتی ہیں۔ خصوصاً افغانستان میں جنگ چھیڑنے کے بعد حکومت رُوس نے محسوس کیا کہ مسلمان علاقوں میں اسلامیت کا اُبھار نمایاں ہے، خواہ وہ ادنیٰ شکلوں میں ہو۔ علاوہ ازیں کمیونسٹ تنظیموں اور سرکاری اداروں میں مسلمان اہم جگہوں تک پہنچ چکے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ کئی کمیونسٹ قائدین بھی مذہبی جنون میں مبتلا ہیں۔

۳۔ اِن حالات کی وجہ سے نئی حکومت کے تحت گورباچوف نے "واہیات مذہبی جنون" کو کچل دینے کا حکم دیا۔ مگر مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی۔ حضرت ناصح کی ایک نہ چلی۔ حالات یہ ہیں کہ ایک مسلم اکثریتی علاقے کا روسی پروفیسر حکومت کو درخواست دیتا ہے کہ مجھے یہاں سے

نکالا جائے، میں مسلم قومیت کے اس حصار میں نہیں رہ سکتا۔ اس بچارے کو عدم احترامِ رمضان کی بنا پر کلاس کے طلبہ نے پیٹ ڈالا۔ (اس واقعہ کو نوائے وقت میگزین ۱۳ مارچ میں بیان کیا گیا ہے)۔ اشتراکیوں کا سُرخ خدا آہستہ آہستہ مر رہا ہے۔

رُوس کے مسلمانوں کی مظلومی کی داستان کو آپ پیشِ نظر کتاب میں پڑھیے اور پھیلایئے۔

پاکستان اور جماعتِ اسلامی از احمد رائف۔ ناشر: المیزان پبلشرز۔ ۲۳۴-المعصوم ٹاؤن فیصل آباد۔ قیمت: ۲۱/- روپے

اچھے معیارِ کتابت و طباعت اور رنگین سرورق کے ساتھ یہ کتاب نظریۂ پاکستان، جماعت اسلامی کی خدمات پاکستان اور تحریک پاکستان کے لیے، نفاذِ اسلام کے لیے جماعت اسلامی کی جدوجہد جیسے موضوعات پر اچھا موادِ مطالعہ پیش کرتی ہے۔ اس میں تاریخ بھی آگئی ہے اور پاکستان اور اسلام کے لیے دعوت بھی۔

محمدی جنتری ۱۹۸۰ء از علامہ نصیر حسن فاضل عراق و سید اعجاز حسین کاظمی۔ ناشر: شعبۂ نشرو اشاعت دارالعلوم محمدیہ، بلاک نمبر ۱۹، سرگودھا۔ قیمت: ۸/- روپے

جنتریوں کی روایت کے مطابق مختلف سنین کی تاریخیں، طلوع و غروب آفتاب، سعد و نحس کی وضاحت، تمام ضروری مواقع کی دعائیں، تعویذ، بزرگوں کے اقوال، خوابوں کی تعبیریں، وظائف تسبیحات وغیرہ جمع ہیں۔

سمجھ میں نہیں آیا کہ عام استعمال کی چیز کو خالص شیعہ رنگ میں رنگ دینا اور صرف شیعہ اماموں اور بزرگوں اور شیعہ روایات اور احکام ہی کے لیے جنتری کو خاص کرنا کیا ضروری تھا۔ تبلیغ اپنی جگہ ہوتی ہے۔

قرآن مجید آپڑیں متعلق کیا آہدے از دلشاد کلانچوی - ناشران: اکادمی سرائیکی ادب بہاولپور
ملن (قیمت) مؤلف کیتے نیک دعائیں۔

عام پنجابی پڑھنے اور سمجھنے کے لیے بھی خاصا وقت چاہیے اور سرائیکی تو پھر سرائیکی ہے۔ اس پمفلٹ کے عنوان کا مطلب یہ ہے کہ قرآن مجید اپنے متعلق کیا کہتا ہے۔ سرسری طور پر یہ اندازہ ہوا کہ قرآن کے موضوع کے متعلق بہت اچھی آیات کا انتخاب کر کے ان کا سرائیکی میں ترجمہ پیش کیا گیا ہے۔ باریک بینی سے ترجمہ کا جائزہ لینا کارے دارد۔ مگر بظاہر خوب!

وطن دشمنوں سے ہوشیار ناشر: مجلس تحفظِ پاکستان، کراچی - قیمت وغیرہ درج نہیں۔

کراچی کے حالیہ سانحات جن مخالفِ پاکستان عصبیتوں کی لہروں کے ٹکراؤ سے پیدا ہوئے ان کا جائزہ لے کر محتاط رہنے کی دعوت دی گئی ہے۔

مولانا مودودیؒ ایک درویش کی نظر میں از ڈاکٹر حکیم محمد عطا الرحمٰن پہاڑپوری، سیوانی، ندوی - بی-یو-ٹی-ایس علیگ - ملنے کا پتہ: ۱- مدرسہ رحیمیہ، پہاڑپور بازار سیوان (ہند) ۲- دفتر جماعت اسلامی ہند پتھر کی مسجد، پٹنہ ۶ قیمت: -/۳ روپے۔

۲۸ صفحے کے اس پمفلٹ میں مؤلف نے بڑی دلچسپ داستان اپنے ذہنی و تحریکی ارتقاء کی بیان کی ہے، مگر خاص زور اس امر پر ہے کہ موصوف کے والدِ مرحوم فخر محدثین مولانا مفتی شاہ محمد جمیل انصاری، ایم اے، عبدلی، استاذ حدیث مدرسہ عالیہ کلکتہ نے مولانا مودودیؒ کے برسرِ عام نمایاں ہونے سے پہلے ان کے کمالات کو پہچانا۔ اس کا مطالعہ مفید ہوگا۔

مسلمانوں کا قتلِ عام (بھارت میں) از محمد اکرام قریشی - احیائے دین لائبریری - مسجد ضلع کچہری، سیالکوٹ - مفت تقسیم۔

حقوق العباد (حصہ ۲) مطابق مندرجہ بالا - (مفت تقسیم)۔

علم و دانش کا قدردان، مذہب اسلام مطابق مندرجہ بالا - (مفت تقسیم)۔

کلمہ طیبہ کی عظمت | ناشر: ادارۂ علم و عمل۔ نزد شاہ لطیف گیٹ۔ ٹنڈو آدم۔ قیمت درج نہیں۔

کامیابی کا راز | از نذیر محمد انصاری۔ ٹنڈو آدم۔ ناشر: ادارۂ علم و عمل لطیف گیٹ ٹنڈو آدم۔ قیمت درج نہیں۔

خدمتِ خلق | از نذیر محمد انصاری۔ ناشر: ادارۂ علم و عمل۔ شاہ لطیف گیٹ ٹنڈو آدم۔

حج مبارک ہو | ناشر: یادگار اسٹیشنرز۔ یادگار لین، حیدر آباد (سندھ)
یہ پمفلٹ کی اشاعت دوم ہے۔ ترجمان القرآن کے ایک اداریہ پر مشتمل ہے۔

محمد مصطفٰے | از جماعت اسلامی ہند، دہلی پردیش۔
مختصر سے اس جیبی پمفلٹ میں حضورؐ کی لائی ہوئی دعوت اور دین اسلام کی شان بیان کی گئی ہے۔

اسلامی قومیت | از محمد اکرم جوئیہ۔ بی۔ اے۔ ایل۔ ایل۔ بی۔ ایڈووکیٹ۔ نصیر والا ضلع میانوالی۔
مختصر پمفلٹ۔ قیمت: درج نہیں۔

مسلمانوں کی عام گمراہی کا سبب | مؤلف و پتہ مندرجہ بالا۔ قیمت درج نہیں۔

اسلام اور سوشلزم

از : سید اسعد گیلانی

- مشہور و معروف کتاب ہے، جس کے متعدد ایڈیشن اردو اور پشتو میں نکل چکے ہیں۔
- اسلام اور سوشلزم دو متضاد اور متصادم نظریات ہیں۔
- افغانستان میں یہ دونوں نظریات باہم جنگ آزما ہیں۔
- اسلام کی نمائندگی نہتے مجاہدین کر رہے ہیں جبکہ سوشلزم ظلم کے ٹینکوں کے ساتھ حملہ آور ہے۔
- نقاب پوش سُرخ سامراج کے سارے گوشے اس کتاب میں نمایاں کیے گئے ہیں۔
- یہ ناکام نظریہ اب صرف آمریت اور رجارحیت کے سہارے زندہ ہے۔
- سوشلزم انسانیت کا عالمی کینسر اور سرطان ہے اس سے نجات کیلئے اجتماعی جدوجہد ضروری ہے۔

ضخامت :

قیمت :

ادارہ ترجمان القرآن (پرائیویٹ) لمیٹڈ

اُردو بازار ۰ لاہور

صدارتی ایوارڈ یافتہ

رسولِ اکرمؐ کی حکمتِ انقلاب

از: سید اسعد گیلانی

○

○ رب العالمین نے سامانِ زیست کے ساتھ مقصودِ زیست بھی خود بنایا ہے۔

○ رحمۃ للعالمین جو سراپا کمالات، سراپا رحمت اور سراپا ہدایت برائے عالمین ہیں۔

○ دعوتِ اسلامی کی اصولی بنیادیں، مزاجی خصوصیات اور عمومی خدوخال کیا ہیں؟

○ حضورؐ کا انقلاب آفریں اسلحہ، معجزہ کردار، معجزہ قرآن اور معجزہ کلام۔

○ حضورؐ کی حکمتِ انقلاب، فرد کی تیاری، تنظیم کی تربیت، ہجرت کی مورچہ بندی اور جہاد میں مضمر ہے۔

○ متوازن اسلامی انقلابی معاشرہ سات اجتماعی ستونوں پر قائم ہے۔

○ اسلامی انقلاب سات حکمتوں پر مبنی ہے۔

○ رسولِ اکرمؐ کی حکمتِ انقلاب کی ۳۵ تدابیر کا مورخانہ تذکرہ ناقابلِ فراموش علمی بحث ہے۔

○ تاریخِ انسانی کا جامع ترین انقلاب جو واحد حقیقی انقلاب ہے۔

○

یہ کتاب ان حکمتوں کو زیرِ بحث لاتی ہے، جن پر عمل کر کے دنیا کے ہر معاشرے میں اسلامی انقلاب برپا کیا جا سکتا ہے۔

ضخامت: ۶۸۰ ○ نقشے ۴ ○ تصاویر متعدد

ادارہ ترجمان القرآن لمیٹڈ۔ رحمٰن مارکیٹ، غزنی سٹریٹ، اردو بازار لاہور

فون نمبر: ۶۸۶۳۶ — ۳۲۴۴۶۸